اکتوبر ۲۰۱۷ء

October - 2017

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت دہلی

اصلاح عقائد واعمال

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن کراچی کی چشم کشا تحریر

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی پر نعمان حنفی پٹنہ کا بے لاگ تبصرہ

خواجہ علم وفن علامہ مظفر حسین رحمہ اللہ

کی بارگاہ میں مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی کا خراج عقیدت

یزید امام اعظم ابوحنیفہ کی نظر میں

برطانوی ہند میں پرسنل لا کا تحفظ

بہار میں سیلاب کی تباہ کاریاں

₹15/-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ
پیغام شریعت دہلی
PAIGAM E SHARIAT
Monthly

October-2017 | شمارہ نمبر:25 | جلد:3 | October-2017

مدیر اعلیٰ
مولانا فیضان المصطفیٰ قادری

مدیر	: طارق انور مصباحی
معاون مدیر	: ازہار احمد امجدی ازہری
پبلیشر	: محمد قاسم مصباحی قادری
آفس انچارج	: محمد ضیاء الحق
موبائل	: 9971262914

مجلسِ ادارت
- ڈاکٹر سجاد عالم رضوی کلکتہ
- ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ممبئی
- مولانا کوثر امام قادری
- ڈاکٹر امجد رضا امجد پٹنہ
- ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی دہلی

مجلسِ مشاورت
- مفتی قمر الحسن بستوی امریکہ
- ڈاکٹر غلام زرقانی قادری
- مولانا نظام الدین مصباحی بولٹن
- ڈاکٹر شفیق اجمل بنارس
- مولانا محمد فاضل مصباحی سنبھل
- مفتی وفاء المصطفیٰ امجدی

ایک شمارہ کی قیمت 15 روپے، سالانہ زرتعاون 150 روپے، بیرون ممالک کے لئے 40 ڈالر، خلیجی

طابع، ناشر، مالک محمد قاسم نے اعلیٰ پرنٹنگ پریس 3636 کٹرا دینا بیگ، لال کنواں، دہلی-6 سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''پیغام شریعت'' 442، سیکنڈ فلور، گلی سروتے والی مٹیا محل جامع مسجد، دہلی-6 سے شائع کیا۔

ترسیل وزر کا پتہ

PAIGHAM E SHARIAT
Monthly
House No. 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali,
Matia Mahal Jama Masjid Delhi-110006
Mob: 9911062519, 011-23260749
Email: paighameshariat@gmail.com
Indian Bank, A/c. Name: Paighameshariat
A/c. No. 6409744750, IFSC Code IDIB000J033

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی
مکہ پبلیشر دہلی
گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی۔۶
آفس کا فون نمبر: Ph: 011-23260749, Mob: 9911062519

فہرست مضامین

نوٹ

مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگی۔

اداریہ

تاریخ کے جھروکوں سے

ریاست بہار کے علاقے سیمانچل میں جان لیوا خشک سالیوں، طوفانوں، زلزلوں اور

قیامت خیز سیلابوں کی تباہ کاریاں

از: ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی، ممبئی

Ph:09869328511.E-Mail:ghulamjabir@yahoo.com

قدیم پورنیہ کو تاریخ میں ملک پورنیہ، سرکار پورنیہ و ریاست پورنیہ کہا گیا ہے۔ کبھی یہ ''حضرت پورنیہ'' اور ''پورنیہ شریف'' بھی رہا ہے۔ مالدہ، مونگیر، سہرسہ و مدھے پورہ میں بھی اس کے کچھ رقبے کاٹ کر ملائے گئے ہیں۔ مختلف وقتوں میں اس کا الگ الگ حصہ بنایا گیا اور الگ الگ جدید ضلع بنتا گیا۔ اتر دیناج پور، کٹیہار، کشن گنج اور ارریہ اضلاع جدیدہ کبھی پورنیہ ہی کے اٹوٹ انگ تھے۔ کرن دیگھی، گوال پوکھر، کشن گنج کا کچھ حصہ، اسلام پور، چوپڑا اور ٹھاکر گنج کا کچھ حصہ، یہ کوئی چھ تھانے تھے، جن کا مجموعی رقبہ ۷۵۹ مربع میل تھا۔ ۱۹۰۶ء تک یہ وسیع رقبہ قدیم پورنیہ ہی کے بازوئے مضبوط تھا۔ سنہ مذکورہ میں کاٹ کر مغربی بنگال میں ملا دیا گیا۔ ورنہ اُدھر ناگرندی کے ساحل تک پورنیہ ہی کا پرچم لہراتا تھا۔

قدیم پورنیہ کا ایک بڑا رقبہ سرجا پوری یا سیمانچل کہلاتا ہے۔ قدیم پورنیہ کو دوآبہ، سہ آبہ، چہار آبہ کہنا درست نہیں۔ اسے آپ دہ آبہ، سی آبہ، چہل آبہ کہیے یا پھر صد آبہ کہہ دیجئے۔ کیوں کہ یہ کچھ نشیبی بھی ہے۔ آبی و سیلابی خطرے بھی ہیں، کبھی یہ خطہ خشک سالیوں، قحط زدگیوں اور زلزلوں کی مار جھیلتا رہا ہے، تو کبھی بردوباراں، طوفان بے اماں، سیلاب بے درماں کا شکار ہوتا رہا ہے۔ آج کی صحبت میں ہم چاہتے ہیں کہ تاریخ کے جھروکوں سے زمینی، آسمانی، طوفانی اور سیلابی تباہ کاریوں کا ایک سرسری جائزہ قارئین کی خدمت میں پیش کریں۔

مولانا محمد اسماعیل رموزی کامیاب طنز نویس و مزاح نگار گزرے ہیں۔ یہ بارا عیدگاہ، تحصیل امور، پورنیہ سے کبھی ماہنامہ 'طوفان'' نکالتے تھے۔ ان کی ایک طنزیہ یا مزاحیہ عبارت ضیافت طبع کے لیے یہاں پیش کی جاتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ یہاں سیلابی تباہ کاریاں کیسی قیامت کی ہوا کرتی ہیں۔ مولانا رموزی لکھتے ہیں:

''میں جتنا بھر مضمون نگار ہوں، وہ من آنم کہ من دانم۔ ہاں! کبھی جی میں آیا، تو نوک قلم سے گھسیٹ مارا۔ انہیں گھسیٹیاتِ عالیہ کی اشاعت کے لیے رسالہ ''طوفان'' کا اجرا عمل میں آیا تھا۔ ''طوفان'' تھا، تو ارادہ ہوا کہ ''سیلاب'' نکالا جائے، مگر قدرت نے سیلاب کا اتنا بڑا ضخیم ایڈیشن مبعوث فرمایا کہ امیدوں پر بانسوں پانی چڑھ گیا اور ساری تمنائیں تہ آب ہو کر رہ گئیں۔ اب خیال ہے کہ ''سیلاب'' کا منبع ''ہمالیہ'' ہی نکالا جائے، اور موسم و موقع کے لحاظ سے اس کے بارش نمبر، ابر و باد نمبر، بجلی اور کڑک نمبر، کوسی پروجیکٹ نمبر، مہاندی، اور پنار نمبر، کنکئی اور پروان نمبر نکالے جائیں۔ قدرت کی اعانت ہوئی، تو پھر بہار غرقاب نمبر، آسام تہہ آب نمبر اور دربھنگہ برباد نمبر نکالنا کوئی بڑی بات نہیں ہے''۔

یہ تو نثر ہوئی، نظم کے بھی کچھ اشعار سے بچشم تصور نظارۂ بردو باراں و دیدار سیلاب و طوفاں کر ہی لیجئے۔ قاضی جلال ہری پوری

کامیاب شاعر گزرے ہیں۔ اپنے نواسے قاضی محمد تشہیر کے نام ایک منظوم خط میں طوفانی و سیلابی تباہ کاریوں کی کچھ اس طرح منظر کشی کرتے ہیں:

ہے بہت ناگفتہ بہ گاؤں کا حال ہوگئے ہیں لوگ سارے پائمال
آج کل سیلاب ہے آیا ہوا ابر بھی ہے ہر طرف چھایا ہوا
چل رہی ہے آندھیوں جیسی ہوا گاہِ پچھوا اور گہے باد صبا
اس کی زد میں آگئے صد ہا مکاں گر گئے کچھ جھک گئے اف الاماں
سیکڑوں انسان بے گھر ہوگئے چرخ نیلی فام چھپر ہوگئے

مولانا محمد مبارک رضوی سیمانچل کے بہت کامیاب شاعر ہیں۔ وہ وہاں کے سیلاب کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

ندیاں کنکی مہندی داس اور پروان میں
بائسی کی سرزمیں آباد ہے طوفان میں
یہ ندی بارہ مہینے جاری رہتی ہے یہاں
پار ہونے کے لیے کشتی بھی چلتی ہے یہاں
جھوم کر آتا ہے موسم جب یہاں برسات کا
رخ بدل دیتا ہے پانی وقت کے حالات کا
سال میں آتا ہے جب جب ماہ ساون جھوم کے
پانی آجاتا ہے دامن ہمالہ چوم کے
پانی جو کوہ ہمالہ پر بہت بیتاب تھا
بائسی میں آتے ہی وہ صورت سیلاب تھا
جب یہاں انسان کھیتیوں پر جماتے ہیں نظر
فصل کم پانی زیادہ ان کو آتے ہیں نظر
دیکھ کر کھیتی کی حالت روتے ہیں سارے کسان
غم کے آنسو سے خوشی کو دھوتے ہیں سارے کسان
اپنے سر پر ہاتھ رکھکر سوچتے رہتے ہیں وہ
اپنے اپنے دل میں یہ سیلاب سے کہتے ہیں وہ
کھیت اور کھلیان زیر آب منظر ہولناک
لے کے آتا ہے عجیب سیلاب منظر ہولناک
اس طرح سیلاب ہر نقشہ کو دیتا ہے بدل
تیرتے ہیں ایسے گاؤں جیسے پانی پر کنول
بائسی کی سرزمیں تجھ کو سدا پائندہ باد
ہے مبارک بھی تری دھرتی کا بیٹا زندہ باد

قدیم پورنیہ کبھی ایک بڑا ضلع تھا۔ اہل پورنیہ شمال میں کوہ ہمالہ کی چوٹی کو نظروں سے دیکھ سکتے تھے۔ ادھر دارجلنگ کی خنک ہواؤں سے محظوظ ہوتے تھے۔ مغربی بنگال کی میٹھی مدھر بولیوں سے بھی لطف اندوز ہوتے تھے، جنوب مغرب میں کوسی اور گنگا کی لہروں اور طغیانیوں سے بھی مزہ اٹھالیتے تھے۔ خود اس کی چھاتی پر مزید درجنوں ندیاں رواں دواں تھیں اور ہیں، جن میں کچھ تو سالوں بھر بہتی رہتی ہیں اور کچھ بارش وسیلاب کے زمانے میں بھرتی ہیں، پھر خشک ہوجاتی ہیں۔ ان ندیوں سے فائدے بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ جہاز رانی، کشتی بانی، آب باشی کی وجہ سے تجارت وزراعت کی پیداوار اور اپجاؤ میں یہ ندیاں نہایت معاون ہیں، مگر بارش اور سیلاب کے زمانے میں یہی ندیاں قہر ساماں بن جاتی ہیں۔ فصلیں، مویشیاں اور مکانات کبھی خراب ہوتے ہیں، کبھی ڈھہ جاتے ہیں اور کبھی بہہ جاتے ہیں۔ ندیاں جب زوروں پر آتی ہیں، تو بستیاں پانی کی سطح پر تیرتے دکھائی دیتی ہیں۔ انسانی جان بچانا ہی مشکل ہوجاتا ہے، تو پھر ایسی صورت میں مویشی اور کھیتی کو کون پوچھتا ہے۔ جانی ومالی، معاشی واقتصادی، زراعتی وتجارتی ایسی بھاری تباہی ہوتی ہے کہ پھر انسان برسوں کمر سیدھی نہیں کر پاتا ہے۔

مہانندا، کنکئی، کوسی، پراون، پنار، ناگر، ڈونک، داس، سورا، میچھی، بوڑھی، گنگی جیسی دسیوں ندیاں ہیں، جن کے کٹاؤ اور بہاؤ سے یہ خطہ ہمیشہ پریشان حال رہتا ہے۔ حکومتی سطح پر ندیوں کو کنڑول کرنے کا کئی بار پروجیکٹ بھی بنایا گیا، مگر وہ سارے پروجیکٹس ہر بار محض خواب وسراب ہی ثابت ہوئے۔

۱۷۷۰ء کی خشک سالی، قحط سالی اور آتش زدگی:

۱۷۷۰ء ہی میں پورنیہ میں مسلم دور حکومت کا پرچم سرنگوں ہوا اور اسی سال پورنیہ پر استعماری قوت کا تسلط یا تغلب ہوا۔ یوں تو یہ خطہ دور قدیم سے ہی ارضی، سماوی وسیلابی آفات سے تباہ وبرباد ہوتا چلا آرہا ہے، لیکن ۱۷۷۰ء کی خشک سالی اور آتش زدگی کا جواب نہیں۔ پورنیہ کا چرخ نیلی فام اہل پورنیہ سے روٹھ گیا۔ اس خطہ پر اس برس

بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکا۔ ندی، نالے، جھیل، جوہڑ، پوکھر، تالاب، حتیٰ کہ کنوئیں بھی سوکھے پڑے تھے۔ دوب، گھاس کی کیا اوقات، جھیل، جھاڑیاں، درختوں اور باغات کا سوکھ کر برا حال تھا۔ مویشیوں کی اموات سے ہر طرف تعفن پھیل چکا تھا۔ بھوک، پیاس، تپش وتمازت کی شدت سے انسانوں کی لاشیں جہاں تہاں پڑی تھیں۔

مسٹر ڈ کرٹی انگریز سپروائزر اور ریاستی وزیر محمد رضا خان کی رپورٹ کے مطابق انسانوں اور جانورں کی نعشوں کے سڑنے اور گلنے کی وجہ سے وبائی امراض تیزی سے پھیل گئے تھے۔ روزانہ سیکڑوں لاشیں بغیر کفن کے دفنائی جارہی تھیں۔ مفلسی، فلاکت اور ہلاکت نے ایسی مجبوری پیدا کردی تھی کہ کئی لوگ اپنے بچوں کو بیچنے کے لیے تیار ہو گئے تھے، مگر کوئی خریدار نہیں تھا۔ لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے، قہر بالائے قہر یہ گرا کہ آتش زدگی کے اچانک حادثے نے ہاہا کار مچادیا اور کیا آبادی، کیا ویرانہ، ہر ہر طرف چٹیل میدان ہی نظر آنے لگا۔ بچا کھچا غلہ اناج بھی جل کر خاکِ سیاہ ہوگیا۔ لوگ جنگلی جانوروں کے گوشت کھا کر گزارہ کرنے لگے۔ اس قحط سالی اور آتش زدگی کے تخمینہ میں دو لاکھ لوگ لقمۂ اجل ہو گئے تھے۔

۱۸۸۳ء کی خشک سالی:

۱۸۷۷ء کی قیامت خیزی سے جو لوگ بچے رہے، دھیرے دھیرے ان کی زندگی معمول پہ آنے لگی۔ کسی حد تک حالات پر قابو پالیا گیا، مگر تیرہ برس کے بعد ۱۸۸۳ء میں پھر اسی طرح کی خشک سالی پیدا ہوگئی۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے رپورٹر مسٹر ڈبلو ڈا گلاس نے اس قحط کا جائزہ لیا۔ ۲۳ر ستمبر ۱۸۸۳ء کی رپورٹ میں لکھا کہ اس خشک سالی کی وجہ سے جو غذائی بحران پیدا ہوا، اس سے انسانوں کی ایک بڑی تعداد موت کے گھاٹ اتر گئی۔ ضروریات زندگی کی چیزوں کی قیمت اتنی بڑھ گئی کہ لوگوں کی قوت خرید سے باہر ہوگئی۔ برطانوی حکومت نے انسدادی کاروائی تو کی، لیکن وہ بالکل نا کے برابر تھی۔

۱۸۸۸ء اور ۱۸۹۱ء کا سیلاب:

۱۸۸۳ء کی خشک سالی سے جو صورت حال پیدا ہوئی تھی، اب وہ صورت معتدل ہورہی تھی۔ پیداوار میں بھی اضافہ ہورہا تھا۔ مگر ۱۸۸۸ء میں موسم کا تیور یک لخت بدل گیا۔ پھر تین برس کے بعد موسم نے یہی تیور دکھایا۔ بے موسم کی برسات نے جہاں تہاں سیلاب بے اماں لادیا۔ ندی نالے جھیل ابل گئے۔ آبادی زیر آب آ گئی۔ جوٹ اور بھدوی دھان کی فصل تباہ ہوگئی۔ یہ بارش وسیلاب ماہ مئی، جون ہی میں آ گیا تھا۔ پھر جب اگھنی دھان کی روپنی کا وقت آیا، تو نہ بارش ہوئی، نہ سیلاب آیا۔ جس کی وجہ سے یہ اہم فصل، جو وہاں کی اہم ترین فصل ہوتی تھی، اس کی کاشت نہ ہوسکی۔ اس بلائے ناگہانی میں اہل پورنیہ کو فاقہ کی نوبت نہیں آئی کہ حکومت وقت نے حفظ ماتقدم کے طور پر غدائی اجناس کا وافر ذخیرہ اکھٹا کر رکھا تھا، جو بر وقت کام آیا۔ ۱۸۷۶ء کو ایک لاکھ پچاس ہزار اور ۱۸۷۸ء کو پچھتر ہزار آٹھ روپے کا غلہ خرید کر حکومت نے اسٹور کرلیا تھا۔

۱۸۶۵ء کا جنگی ماحول، پھر ۱۸۶۶ء کا قحط:

۱۸۶۵ء میں اہل پورنیہ اور بھوٹانیوں میں جنگ چھڑ گئی تھی، جس میں بھوٹان کو شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ ابھی جنگ کے اثرات باقی ہی تھے کہ ۱۸۶۶ء میں پورنیہ پر خشک سالی کا منحوس سیاہ سایہ پڑ گیا۔ غلہ ختم ہو چکا تھا، فصلیں جل کر تباہ ہو گئیں تھیں، جنگ اور قحط سے پہلے اناج کا بھاؤ فی روپیہ چھبیس سیر تھا۔ اب وہی اناج ایک روپیہ میں نو سیر ہوگیا۔

۱۸۷۳ء کا قحط، ۱۸۷۴ء کا سیلاب:

سات برس بعد پورنیہ پر پھر قحط پڑا۔ ۱۸۷۳ء میں خشک سالی رہی۔ فصلیں یا تو اگائی نہیں گئیں یا اپجائی نہیں ہوئی، تو بر بنائے خشک سالی جل کر راکھ ہوگئیں۔ ابھی یہ ہلاکت وفلاکت کا ماحول تھا ہی کہ ۱۸۷۴ء میں زبردست سیلاب آ گیا اور تمام فصلیں زیر آب ہوکر بہہ گئیں۔ ایک غلے کی کمی، اس پر ایندھن اور جلاون کا مسئلہ بھی پیدا ہوگیا۔ ہر طرف مایوسی، کسمپرسی، محرومی کا بادل گھرا ہوا تھا۔ پورے خطے میں پانی ہی پانی گھس آیا تھا۔ مویشی چارہ کے بنا، اور انسان اناج کے بغیر دم توڑ رہے تھے۔ برطانوی راج نے جو امدادی وراحتی اسکیم چلائی، وہ اونٹ کے منہ میں زیرہ ثابت ہوئی۔ نتیجہ میں باشندگان پورنیہ مفلوک الحال ہوکر رہ گئے اور بلاک قصبہ، بلاک دھمدھا اور بلاک بلرام پور زیادہ متاثر ہوا تھا۔

۱۸۹۱ء کا سیلاب ۱۸۹۲ء کی خشکی:

لگتا ہے پورنیہ کی قسمت میں یا تو سیلاب لکھا ہوا تھا یا پھر خشک سالی کی بربادی لکھی تھی کہ یوں دونوں میں آنکھ مچولی ہوتی رہی۔ سولہ سترہ برس کے بعد پھر سیلاب چڑھ آیا تھا۔ جوٹ اور اگھنی کی کھیتی سڑ گل کر ختم ہوگئی۔ ۱۸۹۱ء میں جو گھٹائیں جم کر برس کر تباہی مچادی تھیں، وہی گھٹائیں ۱۸۹۲ء میں بالکل تھم گئیں۔ نہ ایک قطرہ گرا، نہ ایک بوند ٹپکی۔ جس کی وجہ سے جوٹ، دھان، ربیع کی پیداوار بالکل نہ ہوسکی۔ اہل پورنیہ تباہ حال ہوکر رہ گئے۔ حکومت وقت نے ریلیف کا کام ۳۰ رجنوری ۱۸۹۲ء کو شروع کیا، تو یہ راحتی کام ۱۷ رجون ۱۸۹۲ء تک چلتا رہا۔ پورنیہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کی رپورٹ کے مطابق ان راحتی کاموں سے اہل پورنیہ کو کچھ نہ کچھ راحت وسکون نصیب ہوا۔

۱۸۹۷ء کی قحط سالی:

۱۸۹۷ء میں پورے سال بارش نہیں ہوئی۔ زمین قطرہ کو، انسان دانہ کو ترس کر رہ گیا۔ بھوک، پیاس، قحط ووبا کی وجہ سے لوگ مرکھپ رہے تھے۔ نفسی نفسی کا عالم تھا۔ کوئی کسی کا حامی ومددگار نہیں تھا۔ یہاں وہاں مویشی مرے پڑے تھے۔ انسانی لاشیں بکھری پڑی تھیں، جو گرگس، کاگ، زاغ وزغن کی خوراک بن رہی تھیں۔ حکومتی راحت کاری بے سود ثابت ہورہی تھی۔ اس سال اس قحط سے صرف پورنیہ نہیں متاثر ہوا تھا، بلکہ پورا ہندوستان اس کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

۱۹۰۶ء کا سیلاب:

۱۸۹۷ء کی خشک سالی کے آٹھ برس بعد ۱۹۰۶ء میں ایک مہیب سیلاب آ گیا۔ پورا پورنیہ پانی کی تہوں میں ڈوب کر رہ گیا۔ لوگ نان جو کے محتاج اور بے بس ہوکر رہ گئے۔ ہر طرف وبائی امراض پھیل گئے۔ ہیضہ اس دور کی ایک بڑی بیماری تھی۔ ہزاروں لوگ اس کے شکار ہوگئے۔ اررریہ سب ڈویژن (جواب ضلع بن گیا ہے) میں ہیضہ فنڈ فراہم کیا گیا۔ اس کے کارکنان نے بائیس ہزار کی رقم سے مصیبت زدوں کو مدد پہنچائی۔ رام لال کھرجی منڈ نے بھی لوگوں کی خاصی امداد کی تھی۔

۱۹۰۸، ۰۹ء کی قحط سالی:

ان دو برسوں میں بارش بالکل نہیں ہوئی۔ پٹ سن، چاول، ربیع کی فصل بالکل ہی نہیں ہوسکی، حالانکہ ان علاقوں کا انحصار زیادہ تر زراعت ہی پر تھا، لہٰذا مہنگائی اور گرانی کا ہونا بدیہی بات تھی۔ عوام وخواص نے ان دو برسوں میں کافی دقتیں جھیلیں۔

۱۹۱۷، ۱۸ء کا سیلاب:

یہ وہ زمانہ تھا، جب جنگ عظیم اول چھڑی ہوئی تھی۔ ادھر پورنیہ میں بھیانک سیلاب آیا ہوا تھا۔ مہانندا اور دیگر ندیاں اور فلو ہوگئی تھیں۔ پانی ہر طرف بھر چکا تھا۔ زراعتیں بہہ چکی تھیں۔ آمد ورفت کے راستے مخدوش ہو چکے تھے۔ فصلیں تباہ ہوچکی تھیں۔ تلاش معاش میں لوگ یہاں سے وہاں بھٹک رہے تھے۔ حتیٰ کہ غریب کنبہ کے لوگ گداگری پر اتر آئے تھے۔

۱۹۲۹، ۳۰، ۳۱ء کا متواتر سیلاب:

ہر پانچ دس برس میں یہاں کوئی نہ کوئی ناگہانی آفت آتی رہی۔ ان پانچ دس برسوں میں لوگ جب ذرا معمول پر آنے لگتے، ماحول سازگار بنتا کہ پھر ایک نیا طوفانِ آفت آن کھڑا ہوجاتا۔ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۱ء تک مسلسل تینوں برسوں میں ندیاں امنڈ گئیں۔ بارش اور سیلاب کے پانی سے گلی کوچے بھر گئے۔ لگاتار سیلابی تباہیوں نے اٹھنے کا موقع نہ دیا۔ اضمحلال وپریشانی کے عالم میں لوگ دور دراز کے مقامات کی طرف سفر کرنا شروع کردیئے۔

۱۹۳۴ء کا زلزلہ:

اب تک یا تو خشک سالی تھی یا سیلابی کیفیت، لیکن اب کے بار ایک نئی مصیبت دامن پسارے آدھمکی تھی۔ یہ نئی مصیبت ۱۵ رجنوری ۱۹۳۴ء کو بھیانک زلزلہ کی شکل میں آئی تھی۔ زلزلہ ایسا تباہ کن اور روح فرسا تھا کہ پورنیہ باسی اسے فراموش نہ کرسکے۔ زلزلہ کی زد اور صدمے سے جابہ جا زمین پھٹ گئی تھی۔ جگہ جگہ غار پیدا ہوگئی تھی۔ کنوئیں، چشمے پھٹ گئے تھے۔ درخت، دیوار اور مکانات گر گئے تھے۔ گھاس پھوس کی جھوپڑپٹیاں نیست ونابود ہوگئی تھیں۔ سڑکیں تہس نہس ہوچکی تھیں، الغرض قیامت صغریٰ کا جگر شگاف منظر سامنے تھا۔ یہ ایک تاریخی زلزلہ تھا۔

۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۹ء کا سیلاب:

ادھر آزادیٔ ہند کی تحریک زوروں پر تھی۔ادھر پورنیہ میں زور آور مسلسل سیلاب کی طغیانی سے اہل پورنیہ ہچکولے کھا رہے تھے۔متواتر ان چار برسوں میں قہر ساماں سیلاب آتا رہا۔فصلیں برباد ہوتی رہیں۔ جانی ومالی نقصانات ہوتے رہے۔اہل پورنیہ دانے دانے کوترستے،تڑپتے رہے۔ کسان،مزدور،کاشتکار وزمیندار ہر ایک کو جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

۱۹۴۸ء،۴۹ کا سیلاب:

اب ملک تو آزاد ہو چکا تھا،مگر باشندگان پورنیہ کو سیلاب کی تباہ کاریوں سے آزادی نہیں ملی تھی۔ان دو برسوں میں گنگا ندی میں زبردست سیلاب آتا رہا۔جنوب پورنیہ،جواب ضلع کٹیہار ہے، بے حد متاثر ہوتا رہا۔شمال پورنیہ سے وہاں غذائی اجناس فراہم کی جارہی تھیں ۔منیہاری اور براری تھانے میں سب سے زیادہ تباہی مچی تھی۔گنگا کے توابع کی بستیاں غرقاب ہوچکی تھیں۔ چارے، کھیتیاں اور مویشی بہہ گئے تھے۔ایندھن کا بھی مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔

۱۹۵۳ء کا سیلاب:

اب یہ آزاد ہندوستان کا مادر پدر آزاد سیلاب تھا، جو پورے شمالی بہار کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔دیگر اضلاع کے ساتھ پورنیہ بھی اس سیلاب کی گرفت میں تھا۔ماسبق سیلابوں کی طرح اس سیلاب نے بھی اپنا گل کھلایا۔ انسان ،جانور،مکانات، کھیتی باڑیاں سب تہہ وبالا ہوکر رہ گئیں، نتیجہ میں تباہی، بربادی اور بیماریاں اہل پورنیہ کی مقدر بنیں۔

۱۹۵۶ء کا سیلاب:

یہ بھی شتر بے مہار آزاد سیلاب تھا۔ ماہ جون میں ایسی اندھادھند بارش ہوئی کہ کئی ندیاں چھلک گئیں۔ گنگئی، مہانندا، میچھی، ڈونک ، تیاّنوسب اچھل گئیں۔ کشن گنج سب ڈویژن (جواب مستقل ضلع ہے) کے قریب کی ہر بستی میں بے دردی سے پانی گھس گیا۔ اگست کے مہینے میں زبر دست بارش ہوئی۔ کٹیہار [اب یہ بھی ضلع ہے] سب ڈویژن کے بیشتر گاؤں زیرآب آ گئے ۔۱۴،۱۵ رستمبر کو پھر زوردار مینہ برس گیا۔ کٹیہار شہر کے بہت سے علاقے تہہ آب ہوگئے۔ منیہاری ، اعظم نگر،[جو کٹیہار میں ہے] گوال پوکھر ،کرن دیگھی (جواب مغرب بنگال میں ہے) بارسوئی، براری، کاڑھا گولہ تھانوں کی اکثر بستیاں سطح آب پر تیرنے لگیں۔صدر سب ڈویژن پورنیہ کے علاقہ بائسی ، امور،روٹا تھانوں کی بستیوں میں پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔وہاں کشن گنج [جو اب ضلع ہے] سب ڈویژن کے بہادر گنج ،ٹیڑھا گاچھ،دیگھل بنک، ٹھاکر گنج کے سارے علاقوں پر سیلاب چڑھ گیا۔تینوں سب ڈویژن کی کل چار سو اکتالیس بستیاں بے دست وپائی کا مجسمہ بن گئی تھیں ۔جانی،مالی اور فصلی نقصانات بے حدوحساب تھے۔

جب بارش نہ ہونا تھی ، جم کر ہوگئی ۔ ماہ فروری میں بارش وسیلاب کا تانتا بندھ گیا اور جب بارش ہونا ضروری تھی ، بالکل ہی نہ ہوئی۔تب تو ربیع کی فصلیں ڈوب گئی تھیں۔اب اگھنی دھان جو وہاں کی اہم فصل ہوتی ہے، بالکل بارش نہ ہونے کی وجہ سے بویائی نہیں کی گئی۔ یوں بے موسم سیلاب اور بے موقع خشک سالی نے کسانوں اور زمینداروں کو نان جو کا محتاج بنا کر رکھ دیا۔حکومت بہار نے بروقت خبر گیری کی ۔ پورے ضلع میں کل اڑھائی سو راحتی مراکز قائم کئے گئے ۔جگہ جگہ غلہ اجناس کی سستی دکانیں بھی کھولی گئیں۔نقد وجنس ہر طرح سے حکومت ہند نے عوام کی راحت رسانی کا کام کیا۔ یوں ان کی محتاجی قدرے آسودگی میں بدلنے لگی۔

۱۹۸۷ء کا قہر آلود سیلاب:

یہ ایسا ہولناک سیلاب تھا کہ ماضی میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ لوگ اسے ثانی طوفان نوح سے تعبیر کرتے ہیں ۔ندیاں ساری خونخوار ی پر اتر آئی تھیں۔ بے قابو ہوائیں خون آشام بنی ہوئی تھیں۔ نیچے سیلاب کا پانی تیزی سے بڑھ رہا تھا۔اوپر سے موسلا دھار بارش اندھا دھند برس رہی تھی ۔ساتھ ہی تیز طوفانی ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔کھیتیاں تہہ آب تو تھیں ہی، گاؤں گاؤں ،بستی بستی پانی ہی پانی ابل رہا تھا۔جھونپڑے، گھاس پھونس کے مکانات گر گر کر بہے جا رہے تھے ۔پختہ دیواریں گر رہی تھیں۔چھتیں زمیں بوس ہو رہی تھیں ۔ بڑے بڑے تناور درخت بھی سالم نہیں تھے ۔ٹوٹ کر یا اکھڑ کر بہے چلے جا رہے تھے۔ بھیڑ بکری ، کتے ، بلی ،بیل ، بھینس وغیرہ کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔مویشی ،انسان سب ہر ایک یک لخت بہہ رہے

تھے۔ لاشوں پر لاشیں بہی چلی جارہی تھیں۔ فون، بجلی غائب تو تھے ہی، کچی سڑکوں کا تو کیا پوچھنا، پختہ سڑکیں، پکی شاہراہیں کٹ پھٹ گئی تھیں۔ جہاں بڑے بڑے کھڈے پڑ گئے تھے۔ بانسوں بانس پانی بہہ رہا تھا۔ سیکڑوں پل اور پلیے ٹوٹ چکے تھے۔ ریلوے لائن کٹ چکی تھی۔ الغرض ثانی طوفان نوح برپا تھا۔ بچے کھچے لوگ نچی کھچی چھتوں، درختوں، ٹیلوں پر پناہ گزیں کی حیثیت سے بھوک و پیاس سے نڈھال آہ وفغاں میں مصروف تھے۔

اس سیلاب کی ابتدا اوائل جولائی سے ہوگئی تھی۔ ۲/اور ۳/اگست کو اچانک پانی شہر اور دیہات میں گھس آیا تھا۔ مجسٹریٹ دفتر، کچہری، بھٹہ بازار، لائن بازار، خزانچی ہاٹ، باری ہاٹ، خشکی باغ، گلاب باغ، پورنیہ سیٹی، پورنیہ کچہری، سری نگر، بربھات کالونی، دھوبیہ ٹولہ، سپاہی ٹولہ غرض تمام شہر و اطراف شہر میں پانی بھر گیا تھا۔ یہ شہر پورنیہ کا حال تھا۔ تو گاؤں دیہاتوں کیسا برا حال رہا ہوگا۔ ادھر کوچادھامن، بیسا، امور، بائسی، روٹا، کدوا، بارسوئی، بیلیا بلون، نرپت گنج، پلاسی، کرسا کانٹھا، کشن گنج، دھمدھا، ٹھاکر گنج، قصبہ، جلال گڈھ، ارریہ، چوکی، فاربس گنج، سکٹی، دیگھل بنک، پوٹھیہ، بن منکھی، پھوانی پور، غرض مغرب تا مشرق، شمال تا جنوب تمام سب ڈویژن، تمام تحصیلوں، تمام تھانوں، تمام کے تمام دیہاتوں اور بستیوں میں ہاہاکار مچا ہوا تھا۔ مسجدیں، مندریں، دفاتر، مدرسے اور اسکول وکالج سب تہس نہس ہو چکے تھے۔ حکومت ہند کی طرف سے بذریعہ ہیلی کوپٹر روٹیاں، بھنے ہوئے چنے بسکٹ کے پاکٹس گرائے جاتے تھے۔ جو کسی کو ملتا، کسی کو نہیں بھی ملتا۔ فاقوں کی بدحالی سے لوگ لقمۂ اجل بن رہے تھے۔ نقل وحمل کے لیے کوئی چار سو اڑتالیس کشتیاں چلائی گئی تھیں، جو ضرورتوں کا پانچواں حصہ بھی نہیں تھا۔

راحت وریلیف کے امور میں ریاستی سرکار تقریباً ناکام سی ہوگئی تھی۔ مرکزی سرکار بھی خاطر خواہ توجہ نہیں دے پا رہی تھی۔ بھوک، پیاس، بے بسی، بیماری اور موت ہر سو ناچ رہی تھی۔ اس سیلاب سے نہ صرف پورنیہ، بلکہ بہار کے ۲۳/اضلاع متاثر ہوئے تھے۔ سب سے زیادہ نقصان وتباہی کشن گنج، ارریہ، پورنیہ، کٹیہار، سہرسہ، ، مدھے پور، کھگڑیا، بیگوسرائے، مدھوبنی، دربھنگہ، سمستی پور، سیتامڑھی، چمپارن وغیرہ میں ہوئی تھی۔ تقریباً ڈھائی کروڑ لوگ ہلاک وتباہ ہوئے تھے۔

لاکھوں مکانات کا پتا نہیں لگا۔ لاکھوں انسان ڈوب کر یا بہہ کر مر گئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ متاثرہ اضلاع خصوصاً پورنیہ معاشی اعتبار سے دسیوں سال پیچھے چلا گیا، کیوں کہ وسعت اور اثرات کے لحاظ سے یہ سیلاب سب سے زیادہ مہیب ومہلک ثابت ہوا تھا۔

۱۹۸۸ء کا زلزلہ:

اہل پورنیہ ابھی اس قیامت خیز ماحول سے باہر ہی آئے تھے کہ دوسری قیامت ٹوٹ پڑی، ۲۱/اگست کی رات پورا پورنیہ محو خواب تھا۔ صبح چار بج کر چالیس منٹ پر زلزلہ کی دھمک سے زمین، میدان، مکان سب دہل اٹھے۔ نیند یا نیم خوابی کی حالت میں انسان بالکل دہشت زدہ تھے۔ زمین پھٹ گئی۔ چشمے ابلنے لگے۔ مکانات تہہ وبالا ہونے لگے۔ جھاڑ، درخت سب اجڑا کھڑ کر چٹیل میدان یا جلی ہوئی چٹان کا سماں پیش کرنے لگے۔ ہر چہار جانب کہرام مچ گیا۔ حاملہ عورتیں بے وقت دردزہ میں مبتلا ہوگئیں۔ جانور کھونٹا اکھاڑ کر بھاگنے لگے۔ نو بھارت ٹائمز مجریہ ۲۲/اگست کے مطابق ۴۵/افراد جاں بحق ہوئے۔ جانی مالی نقصانات سب سے زیادہ ہلاکت وبربادی بائسی، کشن گنج، ارریہ، فاربس گنج، دھرہرا، دھمدھا، روپولی وغیرہ علاقوں میں ہوئی تھی۔ اس زلزلہ سے بہار کے دوسرے اضلاع بھی بری طرح متاثر ہوئے تھے، مگر اہلیان پورنیہ کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا۔

۲۰۰۹ء کا سیلاب:

اتنی ندیاں، اتنے سیلاب، خدا کی پناہ! ۲۰۰۹ء کا سیلاب بھی ۱۹۸۷ء کے سیلاب سے کم نہیں تھا۔ شہر پورنیہ اور مضافات پورنیہ آب وسیلاب میں یا تو ڈوب کر رہ گئے یا تو پانی کے تیز بہاؤ، زبردست طغیانیوں، سرکش لہروں، شریر دھاروں میں بہہ گئے۔ مکانات ڈھہ گئے۔ فصلیں تباہ ہوگئیں۔ مویشی جہاں تہاں بہہ کر مر کھپ گئے۔ آج ماڈرن ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ ٹی وی پترکاروں نے رپورٹیں لکھیں۔ ٹی وی چینلوں نے وہاں کے تباہ کن مناظر دکھائے۔ ساری دنیا نے دیکھا اور پڑھا۔ دل میں درد انسانیت رکھنے والوں نے ریلیف وراحت کاری کا انتظام کیا۔ ہم نے یہاں ممبئی میں دیکھا۔ کئی تنظیموں نے پورنیہ اور بہار کے سیلاب زدوں کے لیے دل کھول کر حصہ لیا۔

۲۰۱۰ء کا طوفان بے اماں:

یہ ۱۳؍اپریل کی تاریخ تھی، رات کا وقت تھا۔ دیہاتوں میں لوگ جلدی سوجاتے ہیں۔ وہاں گیارہ بجے کی رات بڑی رات سمجھی جاتی ہے۔ مویشیاں باڑوں میں اور انسان اپنے گھروں میں آسودہ خواب تھے۔ بارش اور طوفان نے ایک ساتھ اچانک ایسا حملہ کیا کہ لوگ سکتے میں آ گئے۔ نیند کی حالت میں لوگ بدحواس ہوکر اٹھے۔ مگر موقع نہیں تھا کہ کوئی کسی کو سہارا دے سکے، بارش کا زور اور طوفان کا جھکڑ ہی کچھ ایسا تھا، ہر شخص اپنے آپ میں ہکا بکا ہوکر رہ گیا۔ قیامت کی یہ لہر کوئی دو تین گھنٹے تک جاری رہی۔ ماں بچوں کی، جوان بیٹا بوڑھے باپ تک کی خبر نہ لے سکے۔ کیسا قیامت خیز منظر رہا ہوگا؟ جب طوفان تھما، تو ہمت جٹا کر کچھ لوگ باہر نکلے۔ تباہی، بربادی، ہلاکت کا منظر دیکھ کر ہر ایک کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

کچے مکانات زمین بوس ہوچکے تھے۔ پختہ دیواریں اور چھتیں یا تو کریک ہوچکی تھیں یا تو گر کر سجدہ ریز ہوچکی تھیں۔ جانور، آدمی سب کچھ تو ڈوب گئے تھے اور کچھ سسک سسک کر مر کھپ چکے تھے۔ درخت، جھاڑ، پیڑ، پودے اکھڑ گئے تھے۔ یا تو نصف، ثلث، ربع کٹ کٹا کر ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ جتنا پانی سڑکوں، بارکوں، کھیتوں، تالابوں میں تھا، اتنا ہی پانی ہر گھر میں تھا کہ کسی گھر کا چھپر و چھت سلامت نہیں تھی۔ خود میرا گھر جو نیچے پکی دیوار، اوپر ساگ کی لکڑی اور ٹین کا مضبوط بنا ہوا تھا، دیوار تو تھی، مگر اوپر کا حصہ کیل کانٹے سے لیس اڑ کر کہاں چلا گیا؟ پتا ہی نہیں چلا۔ یہی حال ہزار ہا مکانوں کا تھا۔ اپریل کے آخری حصہ میں، ہم سب بھائی ممبئی سے وطن گئے، تو دیکھ کر کلیجے دہل کر رہ گئے۔ اس طوفان میں بیسا بلاک، امور بلاک، بائسی بلاک، کدوا اور بارسوئی بلاک کی بستیاں ہی زیادہ زد میں آئی تھیں۔ بوڑھوں نے بتایا کہ ایسا طوفان انہوں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

۲۰۱۷ء کا حالیہ قیامت خیز سیلاب:

اس برس کے اس بلا خیز سیلاب پر میں کیا کہوں کہ ساری دنیا اپنے ماتھے کی کھلی آنکھوں سے اس سیلاب قیامت خیز کی ہولناکی و تباہ کاری دیکھ رہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ کھیت کھلیان اور جانوروں کا تو پوچھنا ہی کیا، ہزاروں انسانی جانیں تلف ہوگئیں اور ان کی لاشیں بے گور و کفن بہہ گئیں۔ لاکھوں لاکھ انسان اور مکانات بہہ گئے۔ جب پانی کچھ کم ہوا، تو لاکھوں لاکھ لوگ کھلے آسمان کے نیچے بے آب و دانہ کے رہنے پر مجبور ہو گئے۔ اب ان کے سامنے ان کے جھونپڑوں کی جگہ کھنڈر تھے یا پھر گرے پڑے مکانوں کے ملبے تھے۔ جہاں نیچے پانی، کیچڑ، گندگی تھی اور اوپر سے یا تو بارش برس رہی تھی یا دھوپ برس رہی تھی۔ اناج، ایندھن اور پینے کا پانی ناپید تھا یا سخت خراب و گندا تھا۔ جانوروں اور انسانوں کی لاشوں کے سخت و شدید ترین تعفن و بدبو نے لوگوں کی ناک میں دم کر دیا ہے اور ان کا جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں بیماریوں کا پھیل جانا قدرتی امر تھا، جب کہ دوا علاج کے مراکز بھی ٹھپ پڑے تھے۔ بس یوں سمجھئے کہ ایک ہوش ربا قیامت برپا ہے اور لوگوں کے سروں پر موت ناچ رہی ہے۔ حاصل یہ کہ اس سیلاب بلا خیز نے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے ہیں۔ ارادہ ہے کہ سیمانچل کے دورے کے بعد تفصیلی رپورٹ لکھوں۔

یہ جائزہ اس بات کی پر زور وکالت اور سفارش کرتا ہے کہ مرکزی و ریاستی حکومتیں اور خصوصاً وہاں کے سیاست دانوں اور دانشوروں کو ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر پورے بہار، خصوصاً سیمانچل کے کمر توڑ اور جان لیوا مسائل پر فوری توجہ دینا چاہیے، تاکہ وہاں کی قوم آسودگی بھی محسوس کرے اور ترقی بھی کرے۔ یہ بات بطور خاص نوٹ کرنے کی ہے کہ دنیا کی ندیاں تو کیا، سمندر تک قابو میں کر لیے گئے ہیں۔ تب پھر کیا وجہ ہے کہ سیمانچل کی ان ندیوں اور ان کی قہر سامانیوں کو کنٹرول نہیں کیا سکتا؟ حکمرانوں اور سیاست دانوں کو یہ نکتہ ضرور یاد رہے کہ ایسا نہ کر کے یہ مسئلہ ان کی حکومت و سیاست کے کھوکھلے پن کی کھلے عام چغلی کھا رہا ہے۔ دوسری خاص بات یہ ہے کہ پچھلے دس بیس برسوں میں وہاں جو تعلیمی بیداری اور معاشی خوش حالی آئی ہے، کوئی اس خوش فہمی میں نہ رہے کہ یہ بدلاؤ کسی اور کی محنت و کوشش کا نتیجہ ہے۔ یہ خوشگوار تبدیلی در اصل ان افراد و اشخاص کی محنت و جانفشانی اور کوشش و کاوش کا اثر ہے، جو وہاں کی تعلیمی پس ماندگی اور معاشی بدحالی کی مار کھاتے کھاتے ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کے دہے میں تلاش روزگار کے لیے سیمانچل چھوڑ کر دوسرے شہروں کا سفر کیا اور آج وہ بہت حد تک خوش حال بھی ہیں اور وہ اپنے بچوں کے تئیں تعلیم کے معاملہ میں حساس بھی ہیں۔ اب وہاں کے حالات میں اتنی تنگی اور تلخی نہ رہی، جو پہلے تھی۔ اس لیے اب کام کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ حکمران و عوام اور دانشوران سب یک جٹ ہوکر سیمانچل کی ہمہ جہت تعمیر و ترقی کے لیے کام کریں۔ ☆☆☆

شرعی مسائل

تعزیہ داری اور محرم کے مسائل

از: مفتی قاضی فضل احمد مصباحی،
مفتی بنارس وقاضی شرع ضلع کٹیہار (بہار)

تعزیہ بنانا کیسا ہے؟

سوال اول: مروجہ تعزیہ داری کا کیا حکم ہے؟

جواب: ۔تعزیہ اصل میں امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کی شبیہ کا نام ہے۔اصل روضہ کا نقشہ بنانا جائز اور اسے گھر میں رکھنا باعث خیر وبرکت ہے،مگر آج کل لوگ مختلف قسم کے جو نقشے بناتے ہیں،وہ عموماً روضہ امام عالی مقام سے مشابہت نہیں رکھتے ، پھر انہیں لے کر گھومنا مشتمل برخرافات ہونے کی وجہ سے بدعت اور انہیں دفن کر دینا اضاعت مال ہے، بایں وجہ مروجہ تعزیہ داری حرام اور گناہ کا کام ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے۔''تعزیہ جس طرح رائج ہے، نہ ایک بدعت، مجمع بدعات ہے۔نہ وہ روضہ مبارک کا نقشہ ہے اور ہوتو ماتم اور سینہ کوبی اور تاشے باجوں کے گشت اور خاک میں دبانا کیا روضہ مبارک کی شان ہے''۔(فتاویٰ رضویہ جلد۱۰ ص۲۰۸)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کرنے والوں کا حکم

سوال دوم: حضرت امیر معاویہ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟

جواب: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے والا جہنمی کتا، گمراہ وبددین، اور سخت مستحق تعزیر ہے۔مجموعہ رسائل ابن عابدین میں ہے۔

''من شتم احدًا من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ابابکر اوعمر اوعثمان او معاویۃ اوعمرو بن العاص فان قال کا نوا فی ضلال قتل و ان شتمھم بغیر ھٰذا من مشاتمۃ الناس نکل نکالاً شدیدً ا''

(مجموعہ رسائل ابن عابدین ج۱ ص۳۸۵)

ترجمہ: جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ابوبکر یا عمر یا عثمان یا امیر معاویہ یا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کو بھی گالی دی، اگر یوں کہا کہ یہ حضرات گمراہ تھے تو ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے گا، اور اگر اس کے علاوہ ایسی گالی دی جو لوگ ایک دوسرے کو آپس میں دیا کرتے ہیں تو سخت سزا دی جائے گی۔

علامہ شہاب الدین خفاجی نے نسیم الریاض میں فرمایا:''**من یکن یطعن فی معاویۃ فذاک کلب من کلاب الھاویۃ**''

(نسیم الریاض جلد۴ ص۵۲۵)

ترجمہ: جو شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں طعن کرے، وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔

یزید کافر ہے یا نہیں؟

سوال سوم: کیا یزید کو کافر کہنا صحیح ہے؟

جواب: یزید یقیناً فاسق وفاجر ہے،مگر کافر وملعون کہنے میں اختلاف ہے۔امام اعظم کا مذہب سکوت ہے اور جو کافر کہے اس پر بھی کوئی الزام نہیں کہ یہ بھی امام احمد وغیرہ بعض ائمہ اہل سنت کا مذہب ہے۔الصواعق المحرقہ میں ہے۔

﴿**واعلم ان اھل السنۃ اختلفوا فی تکفیر یزید بن معاویۃ فقالت طائفۃ انہ کافر وقالت طائفۃ لیس**

بکافر فان الاسباب الموجبة للكفر لم يثبت عندنا منها شیء،والاصل بقائه على اسلامه حتى يعلم مايخرجه عنه ومن ثم قال جماعة من المحققين ان الطريقة الثابتة القويمة فى شانه التوقف فيه وتقويض امره الى الله سبحانه وتعالى لانه العالم بالخفيات والمطلع على مكنونات السرائر وهواجس الضمائر فلا نتعرض لتكفيره اصلا،لان هٰذا هو الاهدى والاسلم وعلى القول بانه مسلم فهو فاسق شرير سكير جائر﴾

(الصواعق المحرقة علىٰ اهل الرفض والضلال والزندقة ص ۶۳۱، ۶۳۲)

ترجمہ: جان لو کہ اہل سنت یزید کی تکفیر کے سلسلے میں مختلف الخیال ہیں۔ایک گروہ نے کافر کہا اور ایک گروہ نے کہا کہ وہ کافر نہیں ہے، اس لیے کہ وہ اسباب جو کفر تک مؤدی ہیں،ان میں سے کوئی سبب ہمارے نزدیک متحقق نہیں ہے اور اصل یہ ہے کہ انسان اپنے اسلام پر باقی ہے، جب تک کہ اس سے خارج کرنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے ، یہی وجہ ہے کہ محققین کی ایک جماعت نے کہا کہ یزید کے تعلق سے سب سے بہتر مذہب یہ ہے کہ توقف کیا جائے اور اس کے معاملے کو اللہ عزوجل کے سپرد کردیا جائے کہ وہی مخفی چیزوں کا جاننے والا ، پوشیدہ حقائق پر مطلع اور دلوں ک خطرات سے باخبر ہے تو ہم یزید کی تکفیر سے اصلاً تعرض نہ کریں گے، چونکہ یہی بہتر اور اسلم ہے اور جس قول پر وہ مسلم ہے ، اس کے مطابق بھی وہ بے باک فاسق اور بدمست ظالم ہے۔

چوک پر فاتحہ دلانے کا حکم

سوال چهارم: چوک پر جاکر فاتحہ دلانے اور فاتحہ کرنے والے کا حکم بیان کیجئے؟

جواب: امام چوک پر جو فاتحہ کرتے اور کراتے ہیں، درحقیقت یہ حضرات شہدائے کرام کی نیاز ہے، مگر تعزیہ پر یا اس کے قریب رکھنا لغو اور بدعت وگناہ ہے، ایسا ہی فتاویٰ رضویہ میں ہے: واللہ تعالیٰ اعلم

تعزیوں کے جلوس نکالنے کا حکم

سوال پنجم: تعزیوں کا جلوس نکالنا کیسا ہے؟

جواب: مروجہ تعزیوں کا جلوس نکالنا ناجائز و بدعت وگناہ ہے۔فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''تعزیہ اور باجا اور مرثیہ کی مجلسیں اور تعزیہ کا چڑھاوا یہ سب ناجائز و بدعت وگناہ ہے''۔(فتاویٰ رضویہ ج۱۰،ص ۱۶۵)

محرم میں براق و دلدل بنانا، ڈھول بجانا

سوال ششم: دسویں محرم کو براق بنانا، دلدل نکالنا، ڈھول ،تاشہ، گانا بجانا وغیرہ یہ سارے افعال کیسے ہیں؟

جواب: دسویں محرم کو مذکورہ مراسم و افعال مجموعہ خرافات اور بدعت و گناہ اور اپنے ناپاک ہوس کو امام عالی مقام سے نسبت جوڑنے کے مترادف ہے ۔فتاویٰ رضویہ میں ہے ۔''پریوں اور براق کی تصویریں بھی شاید روزہ مبارک میں ہوں گی ،امام عالی مقام کی طرف اپنی ہوسات مخترعہ کی نسبت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین ہے''۔(فتاویٰ رضویہ ج۱۰ص ۲۸)

تعزیہ سے منت ماننا اور تعزیہ کو سجدہ کرنا

سوال هفتم: تعزیہ کی منت ماننے والوں اور تعزیہ کے سامنے سجدہ کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟

جواب: جب مروجہ تعزیہ ناجائز وحرام ہے تو اس کی منت ماننا نذر معصیت ہے جو جائز نہیں۔اور نہ ایسی منت پوری کرنا لازم ہے اور اسے لازم جاننا جہالت وحماقت اور زنانہ خیال و وہم ہے۔حدیث شریف میں ہے۔

﴿عن عمران بن حصين قال قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم لا وفاء لنذر فى معصية ولا فى لا يملك العبد= رواه مسلم﴾ (مشکوٰۃ المصابیح ج۲ص ۲۹۷)

ترجمہ: عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: انہوں نے فرمایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: معصیت کے کام کی منت پوری کرنی لازم نہیں ہے، یونہی وہ منت جس کا انسان مالک نہیں، اسے پوری کرنی لازم نہیں ہے: واللہ تعالیٰ اعلم۔بقیہ 21 پر

قسط اول

اِصلاحِ عقائدواعمال

بعض اعتقادی اور عملی کمزوریوں کی اصلاح کی ایک عاجزانہ کوشش

از: مفتی منیب الرحمٰن کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

تقدیم

اہل سنت وجماعت کی طرف اپنی نسبت کرنے والے بعض افراد میں کچھ عرصے سے چند خرابیاں دَر آئی ہیں۔ دین ومسلک کا درد رکھنے والے علمائے کرام، مشائخِ عظام اور اہلِ فکر ونظر اس پر متفکر تھے اور سوچ بچار میں رہتے کہ اِن امور کی اصلاح کے لیے کیا حکمتِ عملی اختیار کی جائے اور اس کی تدبیر کیا ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ بعض امور ایک طبقے کا ذریعہ معاش بن چکے ہیں، پس مفاد پرست طبقے کے مفاد پر جب زد پڑتی ہے، تو وہ چلّا اٹھتا ہے اور مذہب ومسلک کے نام پر بلیک میلنگ پر اتر آتا ہے۔ ایسے ماحول میں بہت سے حضرات رخصت پر عمل کرتے ہوئے اپنی عزت بچانے کے لیے خلوت گزینی اور اِن امور سے لاتعلق رہنے ہی میں عافیت سمجھتے رہے۔ مگر ہماری پہچان دین ہے اور ہمیں جو عزت ملی وہ دین ومسلک کی نسبت سے ملی ہے، لہٰذا دین کی عزت وناموس کو سربلند رکھنے کے لیے ہمیں عزیمت پر عمل کرتے ہوئے ہر قربانی کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے۔

چنانچہ میں نے اہلِ درد علماء ومشائخ اہل سنت کی مشاورت سے اہلسنّت وجماعت سے منسوب بعض افراد میں نفوذ کرنے والی چند اعتقادی وعملی کمزوریوں کا ادراک کیا اور اپنی دینی وشرعی ذمے داری پوری کرنے اور اپنے معاصرین پر حجت قائم کرنے کے لیے اصلاحِ عقائد واعمال کے عنوان سے یہ تحریر مرتب کی ہے۔ اس کا مقصد محض اصلاح ہے، کسی کی تنقیص ہرگز مقصود نہیں ہے۔

اس مضمون میں کسی علمی شخصیت، تنظیم یا گروہ کو تعیین کے ساتھ ہدف نہیں بنایا گیا، کیونکہ اہل سنّت وجماعت ایک ملّت ہیں، جَسدِ واحد ہیں اور یہ اصلاحِ ذات کی ایک تعمیری اور مثبت کوشش ہے۔ ہمارا یہ اِدّعاء ہرگز نہیں ہے کہ یہ حتمی نسخہ اصلاح ہے، بلکہ اخلاصِ نیت کے ساتھ یہ ایک ادنیٰ کاوش ہے۔ دوسرے صاحبانِ علم اس میں مثبت اضافات اور بہ سے بہتر اور بہتر سے بہترین کی سعی کرسکتے ہیں۔ اصلاحِ احوال کے لیے اس تحریر کو خشتِ اول اور قرطاسِ عمل کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

میں نے کراچی کے جیّد، مُعتَمَد اور ثقہ مفتیانِ کرام کو اس کارِ خیر میں شرکت کی دعوت دی اور الحمدللہ! سب نے بہ طیبِ خاطر لبیک کہا اور غالب کے الفاظ میں سب کا جواب یہی تھا:

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ابتدائی تحریر میں نے اور مفتی محمد وسیم اختر المدنی نے مشترکہ طور پر مرتّب کی اور پھر اِسے نظرِ ثانی اور مناسب حذف واضافے کے لیے علامہ مفتی محمد الیاس رضوی اشرفی، علامہ مفتی محمد اکمل مدنی اور علامہ مفتی محمد اسماعیل نورانی کو بھیجی اور اُن کے مشوروں کی روشنی میں حتمی مسوّدہ تیار کیا۔ یہ سارے اہلِ علم اہلسنّت وجماعت کا قیمتی اثاثہ ہیں، ہم ان کی علمی معاونت اور مخلصانہ تعاون پر تہِ دل سے شکر گزار ہیں اور اِن سب کے لیے تادیر صحت وسلامتی، خیر وبرکت

، دنیاوی واُخروی فلاح ونجات کے لیے دعا گو ہیں۔ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہلسنّت وجماعت کوان علمائے کرام ومفتیانِ عظام سے ہمیشہ فیض یاب ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔ یہ اخلاص اور اَلـدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ کے جذبے پر مبنی ایک عاجزانہ کوشش ہے۔ علمائے کرام سے گزارش ہے کہ وہ اِسے اصلاح کی نظر سے دیکھیں اور اس حوالے سے مفید مشوروں سے نوازیں۔ ہماری خواہش ہے کہ وہ بھی اس اصلاحی مشن میں ہمارے رفیقِ سفر بنیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ اہل خیر سے گزارش ہے کہ وہ خَالِصاً لِوَجْہِ اللہ اس رسالے کی زیادہ سے زیادہ اشاعت اور تقسیم کا اہتمام کریں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہوسکیں۔اسی طرح دینی تنظیموں اورانجمنوں سے بھی گزارش ہے کہ وہ اپنے کارکنان کو اس کے مطالعے کی تلقین کریں،وَمَـا تَـوْفِیْـقُـنَـا اِلَّا بِـاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔ہم نے اس بحث کو دس عنوانات پر تقسیم کیا ہے۔

دین ومسلک کا یہ جذبہ اور درد ہمیں امام اہل سنت،مجد دِ دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری سے ملا ہے، ہم اُن کی بلندیِ درجات اور روحِ پُرفتوح کے عالَمِ بالا میں سکون کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دست بہ دعا ہیں۔اہل سنت کے بعض افراد نے بے عملی اور بے حسی کا شِعار اپنا رکھا ہے، دینی ترجیحات کو نظر انداز کر کے عشق ومحبتِ رسول کے من پسند معیارات بنا رکھے ہیں،اس کے نتیجے میں ہم زوال آشنا ہو چکے ہیں،امام اہل سنت نے اس پر اپنے سوزِ دروں اور دردِ دل کو اس فارسی شعر میں بیان کیا:

مرا سوزیست اندر دل ،اگر گویم زباں سوزد
اگر دم درکشم، ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

ترجمہ: میرے دل میں اہل سنت کی زبوں حالی اور پستی پر جذبات کا ایسا شعلہ جوّالہ موجزن ہے کہ اگرانہیں زبان پر لاؤں تو زبان جل جائے اوراگر اپنے جذبات کو سینے میں دبائے رکھتا ہوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ شدتِ احساس کی حرارت سے میری ہڈیاں تو کیا ہڈیوں کا گودا تک جل جائے گا،اسی مفہوم کو اردو شاعر نے منظوم کیا ہے:

اگر سچ کہتا ہوں،مزا اُلفت کا جاتا ہے
اگر چپ رہتا ہوں،کلیجہ منہ کو آتا ہے

پس وقت آ گیا ہے کہ ہم مصلحت سے بالاتر ہوکر اپنے عہد کے لوگوں پر اللہ کی حجت قائم کریں اور اپنے دینی فریضے سے عہدہ بَرآ ہوں، کیونکہ ہم میں سے ہر ایک اپنی جگہ مسئول ہے،قارئین سے گزارش ہے کہ ہماری اس دعا پر آمین کہیں:

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَلَا تُوَفِّقْنَا لِمَا لَا تُحِبُّ وَلَا تَرْضٰی،
اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا سَبِیْلَ الرَّشَادِ وَقَوْلَ الْحَقِّ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ،

اصلاحِ عقائد واعمال اور علماء کی ذمہ داریاں:

(ا) جوعقائد واحکام قرآن وسنت سے نصاً اور ظاہراً ثابت ہوں، ان کے مقابل مرجوح اور رکیک احتمالات کا سہارا لے کر تشکیک پیدا کرنا یا اجماع اور جمہور کے مقابل شاذ اقوال کا سہارا لینا اہل بدعت کا وتیرہ رہا ہے،جس کے ذریعے وہ لوگوں کو بہکاتے اور اِن میں فتنہ برپا کرتے چلے آرہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی گمراہ لوگوں کے بارے میں فرمایا:

فَـاَمَّـا الَّـذِیـنَ فِی قُلُوبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ بْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَبْتِغَآءَ تَاْوِیلِہٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیلَہٗ اِلَّا للّٰہُ

ترجمہ : پس جن کے دلوں میں کجی ہے،وہ فتنہ جوئی اور معنی متعیّن کرنے کے لیے آیاتِ متشابہات کے درپے رہتے ہیں، حالانکہ ان کے اصل مرادی (حقیقی) معنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا،(آل عمران :)۔

اس آیت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر ابن جریر، بغوی اور ابن کثیر ایسے جلیل القدر مفسرین اور بیضاوی ، مدارک اور جلالین ایسی درسی تفاسیر میں ائمہ تفسیر نے ایک ہی بات لکھی ہے،مثلاً قاضی بیضاوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی لکھتے ہیں:

قَـالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :فَیَتَّبِـعُـونَ مَـا تَشابَہَ مِنْہُ، فَیَتَعَلَّقُوْنَ بِـظَـاھِـرِہٖ اَوْ بِتَـاْوِیْـلٍ بَـاطِلٍ اِبْتِـغَـاءَ الْفِتْنَۃِ،طَلَبَ اَنْ یُّـفَتِّنُوا النَّاسَ عَنْ دِیْنِھِمْ بِالتَّشْکِیْکِ وَالتَّلْبِیْسِ وَمُنَاقَضَۃِ الْـمُـحْـکَـمِ بِـالْمُتَشَابِہِوَابْتِغاءَ تَاْوِیلِہٖ، وَطَلَبَ اَنْ یُّؤَوِّلُوْہُ عَلٰی مَا یَشْتَھُوْنَہ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ لوگ متشابہات کے درپے رہتے ہیں، پس ان آیاتِ متشابہات کو اُن کے ظاہر پر محمول کرتے ہیں یا فتنہ جوئی کے لیے باطل تاویل کرتے ہیں۔ یہ کاوش اس مقصد کے لیے ہوتی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں شک پیدا کر کے اور مفہوم کو خلط ملط کر کے دین کے بارے میں انہیں آزمائش میں ڈالیں اور آیاتِ مُحکمات (یعنی جن کے معنی قطعی اور واضح ہیں) کو متشابہات کی نقیض ثابت کرنا چاہتے ہیں اور تاویل کے درپے ہونے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آیاتِ متشابہات کی من پسند تاویل کریں۔

(تفسیر بیضاوی، زیر آیت 7 : ،آل عمران)

علامہ ابن کثیر دِمَشقی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ لکھتے ہیں:

اِنَّمَا یَاْخُذُوْنَ مِنْہُ بِالْمُتَشَابِہِ الَّذِیْ یُمْکِنُھُمْ اَن یُّحَرِّفُوْہُ اِلیٰ مَقَاصِدِھِمُ الْفَاسِدَۃِ وَ یُنْزِلُوْہُ عَلَیْھَا لِاِحْتِمَالِ لَفْظِہٖ لِمَا یُصَرِّفُوْنَہ.

ترجمہ: یہ لوگ قرآن سے اُن متشابہات کا سہارا لیتے ہیں جن کے ذریعے ان کو موقع ملتا ہے کہ قرآنی آیات کے معنی میں تحریف کر کے انہیں اپنے فاسد مقاصد پر دلیل بنا کر پیش کریں اور اِن آیات کو فاسد معانی پر محمول کریں، کیونکہ (متشابہات کے) الفاظ میں ان کے باطل معنی کا (کوئی مرجوح یا مردود) احتمال بھی بظاہر موجود ہوتا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ا صفحہ ۴۷۸)

اور فرماتے ہیں: **وَھٰذَا الْمَوْضِعُ مِمَّا زَلَّ فِیہِ اَقْدَامُ کَثِیرٍ مِنْ اَھْلِ الضَّلَالَاتِ** یہی وہ مقام ہے کہ جہاں بہت سے گمراہوں نے لغزش کھائی، (البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۲۴۸)

محکم معنی اور تاویلِ باطل کا فرق:

مُحکم سے مراد وہ آیات جن کے معنی واضح، قطعی اور متعیّن ہیں اور اُن میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور شریعت کے احکام اوامر ونواہی اور عقائدِ قطعیہ آیاتِ محکمات ہی سے ثابت ہیں۔ قرآن، سنت، اجماع اور جمہور کے فیصلے ہی محکمات ہیں اور اِن کے مقابلے میں شاذ، متروک اور مردود اقوال کو پروان چڑھانا دین میں فتنہ انگیزی ہے اور حق کے بارے میں لوگوں کو شک میں مبتلا کرنا ہے، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان قادری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ لکھتے ہیں:

وہ مسائل بالکل قلیل ہیں، جن میں (مسلّمات کے) خلاف کوئی قولِ شاذ نہ مل سکے۔ بہت سے مسائلِ مسلّمہ مقبولہ، جنہیں ہم اہلِ حق اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں، ان کے خلاف بھی مرجوح، مجروح، متروک اور مردود اقوال تلاش کرنے سے مل سکتے ہیں۔ کتابوں میں غثّ وسمین (رڈّی وپُر موقع کلام) و رطب و یابس (صائب اور خطا پر مبنی کلام) کیا کچھ نہیں ہوتا۔ مگر جنہیں اللہ تعالیٰ نے سلیم الفطرت بنایا ہے، وہ صحیح وسقیم میں امتیاز کر لیتے ہیں، ورنہ انسان بدعت کی گمراہیوں میں حیران وسرگرداں رہ جاتا ہے۔ اگر شریر طبیعتوں، فاسد طینتوں کا خوف نہ ہوتا تو فقیر اپنی تصدیقِ دعویٰ کے لیے چند اس قسم کے مسائل مَعرضِ تحریر میں لاتا۔ مگر کیا کیجیے! کہ بعض طبائع اصلِ جبلّت میں حسّاسہ جَسّاسہ (غیر ضروری امور کی ٹوہ میں لگے رہنے والی) بنائی گئی ہیں کہ شب وروز تَتَبُّعِ اَبَاطِیل وقَصِّ قال وقیل میں رہتے ہیں، **کَمَا قَالَ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ: فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَابْتِغَآءَ تَاوِیْلِہ**، ان طبیعتوں کو جہاں بھی دین میں رخنہ اندازی کا ادنیٰ موقع ملتا ہے، اسلام کی بنیادوں کو ڈھانے کے لیے کمربستہ ہو جاتی ہیں، **اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ شَرِّھِنَّ، آمِیْن**۔　(مطلع القمرین، بتصرف، صفحہ ۱۷)

عزیزانِ گرامی! جب آپ اس اصول کو اچھی طرح سمجھ جائیں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آج کل الیکٹرانک، سوشل اور پرنٹ میڈیا میں مختلف سیکولر اور لبرل تحریکوں کی شکل میں سامنے آنے والے متعدّد فتنے ایک ہی مرض کی مختلف علامتیں ہیں، حدیثِ پاک میں ہے:

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا، قَالَتْ: تَلاَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذِہِ الآیَۃَ: ھُوَ الَّذِی اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْہُ آیَاتٌ مُحْکَمَاتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَاُخَرُ

مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ،قَالَت :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :فَإِذَا رَأَيْتِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللّٰهُ فَاحْذَرُوهُم.

ترجمہ: اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آلِ عمران آیت 7: تلاوت کی: (ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی، اُس میں سے کچھ آیات محکم (قطعی) ہیں، یہ اصلِ کتاب ہیں اور دوسری آیات متشابہات ہیں، پس جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ فتنہ جوئی اور معنی متعیّن کرنے کے لیے آیاتِ متشابہات کے درپے رہتے ہیں، حالانکہ ان کے اصل مرادی (حقیقی) معنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو علم میں رسوخ رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں :ہم ان پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے رب کی جانب سے (حق) ہیں اور صرف عقلمند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں)۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے عائشہ!) جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو آیاتِ متشابہات کے درپے رہتے ہیں تو (جان لو!) یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں فرمایا ہے، سو اِن سے بچ کر رہو، (صحیح بخاری:4547)

(۲) تصوف کی آڑ میں کچھ بے دین، بے عمل بلکہ بدعمل ،غیر متشرع جاہل پیر حضرات اپنے نام نہاد مریدوں کو ہی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی علم دین حاصل کرنے سے روکتے ہیں اور علمِ شریعت کی مخالفت میں طرح طرح کے اقوال سناتے ہیں۔اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے گمراہ کن عقائد اور جاہلانہ تعلیمات کے مقابلے میں جب قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے قوی دلائل کا سمندر دیکھتے ہیں، تو حق کو قبول کرنے کی بجائے عام مسلمانوں کو علم سے روکنا انہیں آسان نظر آتا ہے تاکہ اُن کے اَللّے تللّے جاری رہیں۔

یہ ایک مخصوص مکتبِ فکر ہے جو دام ہمرنگِ زمیں کے مصداق اہلِ سنت کو اندر سے نقصان پہنچاتا چلا آرہا ہے، یہ عدُوِّ مستور ہے۔ ماضی میں اسے فرقہ ہامیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رَحمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اسی فرقہ ہامیہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

ترجمہ :ہامیہ فرقہ کے لوگ علمِ شریعت کے مخالف ہیں اور علومِ دینیہ کی تدریس سے منع کرتے ہیں ،فلسفیوں کے تابع ہیں اور کہتے ہیں :قرآن حجاب ہے، شاعری طریقت کا قرآن ہے ،اپنے پیروکاروں کو شعر سکھاتے ہیں اور اوراد کو ترک کرتے ہیں۔یہ لوگ اس اعتقاد کی وجہ سے ہلاک ہوگئے، یہ اپنے آپ کو اہلِ سنت کہتے ہیں مگر یہ اہلِ سنت نہیں ہیں۔۔یہ خود کو قلندری اور حیدری کہتے ہیں، (سرالاسرار :۵۸)''۔

حالانکہ حضرتِ علی حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہ تو علم کا سمندر تھے، مدینۃُ العلم کا ایک باب تھے ،کمالاتِ فیضِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہرِ اتمّ تھے۔

یہ اپنے جاہل مریدوں کو علماء سے دور رکھنے کے لیے طرح طرح کے حیلے تراشتے ہیں، ان کا دام تزویر کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ شریعت الگ ہے اور طریقت الگ ،ہم طریقت والے ہیں اور علماء شریعت والے ہیں، علماء اور صوفیہ کی آپس میں کبھی نہیں بنتی، شریعت اس کے لیے ہے جس نے حقیقت کو نہ پایا ہو۔امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری رَحمَہُ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے رد میں مَقَال العُرَ فاء باعزاز شرع وعلَماء کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا، اُس سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

(ا) عمرو کا قول کہ شریعت چند احکام یعنی فرض وواجب اور حلال وحرام کا نام ہے ،محض اندھا پن ہے۔شریعت تمام احکامِ جسم وجان وروح وقلب وجملہ علومِ الٰہیہ ومَعارفِ لامتناہیہ کو جامع ہے ،جن میں سے ایک ٹکڑے کا نام طریقت ومعرفت ہے۔ولہٰذا تمام اولیائے کرام کا قطعی اجماع ہے کہ تمام حقائق کو شریعتِ مُطَّہرہ پر پیش کرنا فرض ہے۔اگر شریعت کے مطابق ہوں ،تو حق ہیں

اورمقبول ہیں، ورنہ مردود ومخذول(یعنی باعثِ رسوائی) ہیں۔تو یقیناً قطعاً شریعت ہی اصلِ کار ہے،شریعت ہی مَناط ومَدار ہے، شریعت ہی محَکّ (کسوٹی) ومعیار ہے۔شریعت راہ کو کہتے ہیں اور شریعت محمدیہ(علٰی صَاحِبھا اَفضل الصلوات والتحیات) کا ترجمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہے، یہ قطعاً عام ومطلَق ہے، نہ کہ صرف چند احکامِ جسمانی سے خاص، یہی وہ راہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے پانچوں وقت ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں اس کا مانگنا اوراس پر ثبات واستقامت کی دعا کرنا ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے :اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم ،اے اللہ !،ہم کو محمد ؟ کی راہ چلا،ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ۔

(فتاویٰ رضویہ، ج 21:ص 523 :،بتصرف، رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

(۲)عمرو کا یہ قول:طریقت وصول اِلیٰ اللہ کا نام ہے،محض جنون وجہالت ہے۔معمولی پڑھالکھا شخص بھی جانتا ہے کہ طریق ،طریقہ اورطریقت راہ کو کہتے ہیں، نہ کہ پہنچ جانے کو،تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے۔سواگر وہ شریعت سے جدا ہو،تو قرآنِ مجید کی شہادت کی رُو سے ایسی طریقت خدا تک نہ پہنچائے گی، بلکہ شیطان تک پہنچائے گی، جنت تک نہ لے جائے گی بلکہ جہنم رسید کرے گی۔کیونکہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن مجید باطل ومردود فرما چکا ہے۔پس لازم وضروری ہے کہ طریقت شریعت ہی ہے، یعنی اسی راہِ روشن کا ایک ٹکڑا ہے،طریقت کا شریعت سے جدا ہونا محال وناممکن ہے، جو اسے شریعت سے جدا جانتا ہے وہ اِسے راہ خدا سے توڑ کر راہ ابلیس مانتا ہے،مگر حاشا !طریقتِ حقہ راہِ ابلیس نہیں،قطعاً راہ خدا ہے،تو یقیناً وہ شریعتِ مُطہّرہ ہی کا ٹکڑا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج 21 :ص 524 :،بتصرف،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

(۳)''مندرجہ بالا تفصیلات سے واضح ہے کہ شریعت کے حامل علماء ہر گز طریقت کے لیے سدِّ راہ نہیں ہیں، بلکہ وہی اس کا دروازہ کھولنے والے اوراس کے نگہبان ہیں۔ہاں !ایسی طریقت کہ بندگانِ شیطان جس کا نام طریقت رکھیں اوراسے شریعتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا مانیں،علمائے حق ضرور اُن کے آگے سدِّ راہ ہیں۔صرف علماء ہی کیا،خود اللہ عزوجل نے اس راہ کو مسدود،مردود،ملعون اورمطرود(دھتکارا ہوا) فرمایا۔سطورِ بالا سے واضح ہوا کہ علمائے شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ہر وقت ہے اورخاص طور پر طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ ،ورنہ حدیث میں شریعت سے محروم یا شریعت سے متصادم طریقت والوں کو چکی کھینچنے والا گدھا فرمایا ہے،تو اگر علماء تمہیں گدھا بننے سے روکتے ہیں،تو کس گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں؟۔

(فتاویٰ رضویہ،ج 21:ص 535 :،بتصرف،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اہل سنت کے دس عقائد کا مفصل بیان کرتے ہوئے دسویں عقیدے کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

عقیدہ عاشرہ......شریعت وطریقت:

شریعت وطریقت، دوراہیں متبائن نہیں (کہ ایک دوسرے سے جدا یا ایک دوسرے کے خلاف ہوں) بلکہ بے اتباعِ شریعت، خدا تک وصول محال،شریعت تمام احکامِ جسم وجان وروح وقلب و جملہ علومِ الٰہیہ ومعارفِ نامتناہیہ کو جامع ہے،جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت ومعرفت ہے ۔ولہٰذا باجماعِ قطعی جملہ اولیائے کرام کے تمام حقائق کو شریعتِ مُطہّرہ پر عرض کرنا فرض ہے۔اگر شریعت کے مطابق ہوں،تو حق وقبول ہیں ورنہ مردود و مخذول ،مطرود و نامقبول،تو یقیناً قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مَناط ومَدار ہے،شریعت ہی محَکّ (کسوٹی)ومعیار ہے اورحق وباطل کے پرکھنے کی کسوٹی۔

شریعت راہ کو کہتے ہیں اورشریعت محمدیہ علٰی صاحبہا الصلوات والتحیات کا ترجمہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ۔اور یہ قطعاً عام ومطلق ہے نہ کہ صرف چند احکامِ جسمانی سے خاص۔یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت، ہر نماز کی ہر رکعت میں اس کا مانگنا اور

اس پر صبر واستقامت کی دُعا کرنا ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے کہ **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم** (ہم کو سیدھا راستہ چلا)، ہم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ پر چلا، ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ۔

یونہی طریق، طریقہ اور طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو، تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے، اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادتِ قرآن عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی، بلکہ شیطان تک پہنچائے گی، جنت تک نہ لے جائے گی، بلکہ جہنم میں لے جائے گی کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن عظیم باطل ومردود فرما چکا۔

لازم وضروری ہوا کہ طریقت ہی شریعت ہے کہ اسی راہ روشن کا ٹکڑا ہے۔ اِس کا اُس سے جدا ہونا محال و ناممکن ہے، جو اسے شریعت سے جدا مانتا ہے، گویا وہ اسے راہِ خدا سے توڑ کر راہِ ابلیس مانتا ہے، مگر حاشا! طریقت حقّہ راہِ ابلیس نہیں قطعاً راہِ خدا ہے، خواہ بندہ کیسی ہی ریاضتوں، مجاہدوں اور چلّہ کشیوں میں وقت گزارے، ہرگز اس رُتبہ تک نہیں پہنچے گا کہ تکالیفِ شرع (یعنی اوامر ونواہی سے متعلق شریعتِ مُطہّرہ کے فرامین) اُس سے ساقط ہو جائیں اور اسے اسپ بےلگام وشُترِ بےزمام کرکے چھوڑ دیا جائے۔

قرآن عظیم میں فرمایا: **اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْم** ، ترجمہ: بے شک اسی سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے، اور فرمایا: **وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** ۔اس رکوع کے آغاز سے احکامِ شریعت بیان کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور اے محبوب! تم فرمادو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے، تو اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور راستوں کے پیچھے نہ لگ جاؤ کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے جدا کردیں گے۔ دیکھو! قرآن عظیم نے صاف فرمادیا کہ شریعت ہی صرف وہ راہ ہے، جس کا مُنْتَہٰی (یعنی مقصود) اللہ ہے اور جس سے وصول الی اللہ ہے، اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا، اللہ کی راہ سے دُور پڑے گا۔ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے، شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے، ورنہ بے اتباعِ شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سنیاسیوں کو دیے جاتے ہیں، پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں، اُسی نارِ جحیم وعذاب الیم تک پہنچاتے ہیں۔

(مَقَالُ الْعُرَفَاءِ بِاعْزَازِ شَرْعٍ وَعُلَمَاء، بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج 21: ص: 24-523)

صوفی وہ ہے کہ اپنی خواہشات کو تابع شرع کرے، بے اتباعِ شرع کسی خواہش پر نہ لگے۔ اسی طرح وہ شخص بھی صوفی نہیں ہوسکتا جو ہوا وہوس اور نفسانی خواہشات کی خاطر شریعت کو ترک کردیا اور اتباع شریعت سے آزاد ہو، شریعت غذا ہے اور طریقت قوت، جب غذا ترک کی جائے گی تو قوت خود کمزور ہوگی، شریعت آنکھ ہے اور طریقت نظر (اور) آنکھ پھوٹنے کے بعد نظر کا باقی رہنا محال ہے، کیونکہ عقل سلیم اِسے قبول نہیں کرتی تو شریعتِ مُطہّرہ میں کب مقبول ومعتبر ہوگی۔ قربِ الٰہی کی منزل پانے کے بعد اگر اتباعِ شریعت کے ترک کی گنجائش ہوتی اور احکامِ شریعت پر عمل لازم نہ رہتا یا بندہ اس میں مختار ہوتا، تو سیّد العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور امام الواصلین علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ اس کے سب سے زیادہ حق دار ہوتے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں، بلکہ جو جس قدر حق تبارک وتعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے، اُس کے لیے شریعت کی پابندیاں اور زیادہ سخت ہوجاتی ہیں، اسی لیے کہا گیا ہے: حَسَنَاتُ الابرار سیئات المقربین، یعنی بعض صورتوں میں عام نکوکار لوگوں کے لیے جو امور نیکی کا درجہ رکھتے ہیں، وہی اعلیٰ مرتبے کے حامل صالحین کے لیے عیب قرار پاتے ہیں، کسی نے کہا ہے: نزدیکاں رابیش بود حیرانی (قریب والوں کو حیرت زیادہ ہوتی ہے) اور: جن کے رُتبے ہیں سوا، ان کو سوا مشکل ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ سیّد المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم رات، رات بھر عبادات ونوافل میں مشغول رہتیا ورامت کی فکر میں سرگرداں رہتے۔ نماز پنجگانہ تو تمام اہلِ ایمان کے ساتھ آپ پر بھی فرض تھی، لیکن آپ کے بلندترین مقام کے سبب آپ پر نمازِ تہجد بھی فرض قرار دی گئی، حالانکہ اُمّت کے لیے وہ صرف سنت ہے۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض

کیا گیا کہ : کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ احکام شریعت تو وصول الی اللہ کا ذریعہ تھے اور ہم تو واصل ہو گئے ہیں، یعنی اب ہمیں اتباعِ شریعت کی کیا حاجت؟ ۔فرمایا : وہ سچ کہتے ہیں، واصل ضرور ہوئے مگر کہاں تک؟ جہنم تک۔۔۔۔مزید فرمایا: چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں۔اگر میری زندگی ہزار برس بھی ہو جائے ،تو فرائض وواجبات کا ترک تو بڑی بات ہے، میں عذرِ شرعی کے بغیر نوافل و مستحبات میں بھی کوئی کمی نہ کروں۔

تو خلق پر تمام راستے بند ہیں مگر وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانِ قدم کی پیروی کرے۔

خلافِ پیغمبر کسے راہ گزید
کہ ہر گز بہ منزل نہ خواہد رسید

ترجمہ :جس کسی نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کیا ہرگز منزل مقصود پر نہ پہنچے گا۔

توہین شریعت کفر ہے اور علمائے دین کو برا کہنا آخرت میں فضیحت و رسوائی کا سبب ہے ۔شریعت کے دائرے سے باہر نکلنا فسق اور نافرمانی ہے۔

صوفی باصفا،سنی صحیح العقیدہ عالم کے بارے میں خدا اور رسول کے فرمان کے مطابق ہمیشہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ علمائے دین وارثانِ خاتم النبیین ہیں اور علوم شریعت کے نگہبان وعلمبردار ہیں۔پس ان کی تعظیم وتکریم درحقیقت رسول اللہ ؟ کی تعظیم وتکریم ہے اور اس پر دین کا مدار ہے اور مُتدَیّن خدا ترس عالم دین ہمیشہ صوفی باصفا سے تواضع وانکسار سے پیش آئے گا، کیونکہ وہ حق سے آگاہ ہے اور حق کی پناہ میں ہے اور وہ اسے اپنے سے افضل واکمل جانے گا کہ وہ دنیاوی آلائشوں سے پاک ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج29: ص90-386: بتصرف)

عزیزانِ گرامی ! آپ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ان جاہل، بےعمل بلکہ بدعمل پیروں کی طرف سے آج قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے مقابلے پر شاعری کو حجت کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ان لوگوں نے بزرگوں کے وہ قصے یاد کر لیے ہیں جن کی اولاً تو صحت ہی مشکوک ہے اور اگر بالفرض اُن میں سے کوئی روایت درست بھی ہو تو اسی طرح اُس کی تاویل کرنا ضروری ہے، جس طرح قرآنی آیاتِ متشابہات کی تاویلات ائمہ تفسیر نے بیان کی ہیں۔نیز ان بزرگوں کے وہ واقعات جو مستند ہیں،علم دوستی اور علم کی اشاعت پر مبنی ہیں، یہ لوگ ان کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اکابرِ امت نے گزشتہ صُحفِ سماویہ کے بارے میں یہ اصول بتایا :

(الف) اُن میں جو بات قرآن وسنت کے مطابق ہے ،ہم اُس کی تصدیق وتصویب کرتے ہیں۔

(ب) اُن میں جو بات قرآن وسنت کے خلاف ہے ،ہم اُس کو رَدّ کرتے ہیں۔

(ج) اُن میں جو بات،نہ قرآن وسنت کے مخالف ہے اور نہ ہی موافق، ہم اُس کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔

(۳) نبی کریم انے ایک جانب کئی ممالک کے حکمرانوں کو خطوط لکھے ، اقوامِ عالَم کے ساتھ معاہدے فرمائے اور اتمامِ حجت کے بعد جہاد فرما کر اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کا فریضہ ادا فرمایا۔دوسری جانب آپ انے خوارج، روافض اور قدریہ جیسے وجود میں آنے والے اندرونی فتنوں کے نام اور اوصاف بیان کر کے مسلمانوں کو خبر دار کیا اور ان کا رَدِّ بلیغ فرمایا۔لہٰذا ہر عالم دین کو چاہیے کہ کسی ایک موضوع پر کام کرتے وقت دوسرے فتنوں اور گمراہ فرقوں کے رد کرنے میں تساہل کا شکار نہ ہوں، علمی و باوقار انداز میں حکمت عملی کے ساتھ ان کی گمراہیوں کو مسلمانوں پر آشکار کریں تا کہ وہ ان فتنوں سے خبر دار ہوں اور ان سے بچے رہیں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان قادری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی لکھتے ہیں:

ضرورت کے وقت اہلِ بدعت کا رد اہم فرائض میں سے ہے، چنانچہ امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رَدِّ جہمیہ میں کتاب تصنیف فرمائی۔وَفِیْ حَدِیْثٍ عِنْدَ الْخَطِیْبِ وَغَیْرِہٖ :اَنَّہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ :اِذَاظَھَرَتِ الْفِتَنُ اَوْ

قَالَ:اَلْبِدَعُ وَسُبَّ اَصْحَابِیْ فَلْیُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَه، فَمَنْ لَّمْ یَفْعَلْ ذٰلِکَ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلاَئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْن، لَا یَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا، ترجمہ: خطیب بغدادی ودیگر محدثین کرام نے روایت کیا ہے :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :جب فتنے یا بدعتیں ظاہر ہونے لگیں اور میرے اصحاب کو گالی دی جانے لگے، تو اِن مواقع پر عالم پر لازم ہے کہ وہ اپنا علم ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے (یعنی مداہنت سے کام لے) تو اُس پر اللہ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اللہ نہ اُس کی کوئی فرض عبادت قبول فرمائے گا اور نہ ہی نفل۔

(فتاویٰ رضویہ، ج27:، ص131:، بتصرف)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علمائے حق اور مجدّدِ عصر کی ذمہ داریاں اس طرح بیان فرمائی ہیں:

یَحْمِلُ هٰذَاالعِلْمَ مِنْ کُلِّ خَلَفٍ عُدُولُه،یَنْفُونَ عَنْهُ تَحرِیفَ الغَالِینَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِینَ وَتَاْوِیْلَ الجَاهِلِینَ ۔

ترجمہ :اس علم کی ذمے داری بعد میں آنے والے ہر زمانے کے بہترین لوگ اٹھائیں گے، جو دینِ حق سے انتہا پسندوں کی تحریف، باطل پرستوں کی کذب بیانی اور جاہلوں کی ہیراپھیری کی نفی کریں گے۔

(مشکوٰۃ :۲۴۸،شرح مشکل الآثار :۳۸۸۴، مسند البزار:۹۴۲۳)

اس حدیثِ مبارک کے کلمات یَحْمِلُ هٰذَا العِلْمَ مِنْ کُلِّ خَلَفٍ اور ایک روایت میں یَرِثُ هٰذَا الْعِلمَ سے معلوم ہوا کہ مجدِدِ عصر اور علمائے حق کا سابق مجدّدِ دین کے تابع، ہم خیال اور اجماع کا پابند ہونا ضروری ہے۔ یَنْفُونَ عَنْهُ تَحرِیفَ الغَالِینَ،اِنْتِحَالَ الْمُبْطِلِین اور تَاْوِیلَ الجَاهِلِینَ کے کلمات سے معلوم ہوا کہ دین اور خصوصاً دینی شخصیات کے بارے میں غلو کی نفی کرنا، اہل بدعت کو بے نقاب کرنا اور گمراہ فرقوں کی باطل تاویلوں کا رد کرنا ہر دور کے مجدد اور علمائے حق کی ذمہ داری ہے۔

(جاری)

صفحہ 13 کا بقیہ:

فرضی قبر بنانے کا حکم

سوال هشتم: جو لوگ تعزیہ یا فرضی قبریں بناتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: تعزیہ جس میں روضہ امام کی صحیح تصویر نہ ہو، اسے بنانا داعی الی البدعت کی وجہ سے حرام و گناہ ہے۔ یونہی فرضی قبریں بنانا اور لوگوں کو ان کہ زیارت کے لیے بلانا حرام و گناہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ﴿من ابتدع بدعة ضلالة لایرضاها اللّٰه ورسوله کان علیه من الاثم مثل آثام من عمل بها لا ینقص ذلک من اوزارهم شیئاً﴾ (ترمذی)

ترجمہ: جس کسی نے ایسی گمراہ بدعت کی ایجاد کی، جس سے اللہ اور اس کے رسول راضی نہیں ہیں تو اس پر ان کے گناہ کے برابر گناہ ہوگا جو اس بدعت پر عامل ہوں گے اور ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی کم نہ کیا جائے گا۔

تعزیہ بنانے کے لیے چندہ لینے دینے کا حکم

سوال نهم: تعزیہ بنانے کے لیے چندہ وصول کرنے والوں اور دینے والوں کا کیا حکم ہے۔؟

جواب: مروجہ تعزیہ بنانے کے لیے چندہ وصول کرنا اور چندہ دینا تعاون علی الاثم کی وجہ سے گناہ کا کام ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ (سورہ مائدہ)

ترجمہ: گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

تعزیہ داری سے روکنے پر برا شگون لینا

سوال دهم: تعزیہ داری سے منع کرنے پر لوگوں کا برا شگون لینا کیسا ہے؟

جواب: اسلام میں بدشگونی حرام ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

"لا عدوی ولا طیرة ولا هامة ولا صفر" (بخاری)

ترجمہ: اسلام میں نہ کوئی مرض متعدی ہوتا ہے اور نہ بدشگونی اور نہ الّو سے کوئی نحوست ہے اور نہ ماہ صفر کے شروع ہونے سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احوال وشخصیات

افتخار العلما، الفلکی الکبیر علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ

تحریر: مفکر اسلام علامہ محمد قمر الزماں خاں اعظمی

یہ تحریر خواجہ علم وفن علیہ الرحمۃ والرضوان کی وفات کے موقع پر مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی کے قلم سے معرض وجود میں آئی تھی جسے حضرت علامہ نظام الدین مصباحی انگلینڈ نے حضرت خواجہ علم وفن کے پانچویں عرس کے موقع پر اشاعت کے لیے ادارہ کو ارسال کیا ہے۔ ہم موصوف کے شکریہ کے ساتھ اسے قارئین کے لیے شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

۲۰/ اکتوبر ۲۰۱۲ء کی صبح کو نماز فجر کے بعد حسب معمول بستر پر دراز ہو کر امام الطائفہ سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات طیبہ سے متعلق خان عطاف کا ایک مضمون پڑھ رہا تھا، آنکھ لگ گئی تو خواب میں مرشد کریم حضور سیدی مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی زیارت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ کسی گاؤں میں حضرت کا انتظار ہو رہا ہے۔ میں بہت سے لوگوں کے ساتھ اس گھر کے دروازے پر کھڑا ہوں کہ سرکار مفتی اعظم تشریف لائے۔ حضرت بہت صحت مند نظر آ رہے تھے۔ میں انہیں ایک دالان نما کمرے میں لے گیا، جہاں دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک پر حضرت لیٹ گئے اور میں نے ان کے پائے مبارک کو دبانا شروع کیا اور اس اثنا میں سوچتا رہا کہ آخر دوسری چارپائی کس کے لیے ہے، جبکہ اس پر بستر لگا ہوا ہے؟ میں نے سوچا کہ شاید کوئی اور بزرگ تشریف لانے والے ہیں۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا ٹیلیفون بجا اور میں بیدار ہو گیا۔ میں نے فون اٹھایا تو اسکاٹ لینڈ سے مولانا فروغ القادری انتہائی نحیف آواز میں مجھ سے مخاطب تھے۔ انھوں نے اندوہناک اطلاع دی کہ حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب کا انتقال ہو گیا۔ کلمہ استرجاع کے بعد میں نے وصال کی تفصیلات جاننے کی کوشش کی تو شدت غم کی وجہ سے زیادہ گفتگو نہ ہو سکی۔

میں نے حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کے وصال کی اطلاع انگلینڈ میں قیام پذیر دوسرے علما کو دی۔ حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب بیمار تو بہت دنوں سے تھے، مگر ان کا انتقال اس قدر اچانک ہوگا، یہ اندازہ کسی کو نہ تھا۔ میں نے ان کے انتہائی قابل قدر شاگرد مفتی مطیع الرحمٰن رضوی کو فون کر کے تعزیت کرنی چاہی تو وہ بھی شدت غم میں زیادہ کچھ نہ بتا سکے۔ صرف اتنا فرمایا کہ وصال سے کچھ پہلے میری ان سے گفتگو ہوئی تھی، وہ بالکل ٹھیک تھے۔ لوگوں نے بتایا کہ ان کے سینے میں تھوڑا سا درد ہوا، اور وہ زندگی کے آخری سفر پر روانہ ہو گئے۔ جامعہ رونا ہی کے ناظم اعلیٰ قاری جلال الدین صاحب اور مفتی خواجہ صاحب ناظم تعلیمات جامعہ نیز قاری رئیس صاحب استاذ دار العلوم نور الحق چرہ سے گفتگو ہوئی، انھوں نے کچھ تفصیلات بتائیں۔ افسوس اب امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ ہم میں نہیں رہے۔

خلیفہ اعلیٰ حضرت سے اکتساب علم وفضل

انھوں نے ریاضی، فلکیات، ہیئت وغیرہ علوم ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیے تھے۔ ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کو دیوبند کے سب سے بڑے عالم ومفتی شفیق نے ریاضی کے عالمی شہرت یافتہ ،بانی تحریک خاکساران، علامہ عنایت اللہ مشرقی سے بڑا ریاضی داں قرار دیا اورعنایت اللہ مشرقی کے مقالے کے مقابلے میں ملک العلما کے مقالے کو ترجیح دی۔ اب نہ ملک العلما جیسا استاد ہوگا اور نہ ہی خواجہ مظفر حسین جیسا شاگرد۔ البتہ وہ علما جنھوں نے ان سے علوم فلکیہ، ریاضی اور فقہ کی تحصیل کی، جیسے مولانا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب مضطر پورنوی، مولانا شہید عالم اور بدایوں شریف کے صدیوں کے دامن پر محیط علمی اور فکری ورثے کو امت مسلمہ تک پہنچانے کی ذمہ داری اٹھانے والے علامہ اسید الحق وغیرہم سے امید ہے کہ وہ خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کے علم وفن کو آنے والی علما کی نسل تک پہنچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ (مولانا اسید الحق اب باحیات نہیں رحمہ اللہ تعالیٰ)

حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب ایک باکمال اورعبقری مدرس تھے۔ انھوں نے ہندوستان کی مختلف درسگاہوں میں تدریس کے فرائض انجام دئے۔ وہ جس درسگاہ میں مسند تدریس پر فائز ہوئے ،ذہین اورعلم کی پیاس بجھانے والے عالم وہاں پہنچ جاتے اور ان سے فیضیاب ہوتے۔ وہ ابر بارندہ کی طرح مختلف درسگاہوں میں طالبان علوم نبویہ کی پیاس بجھاتے رہے، تشنہ دلوں کو سیراب کرتے رہے، ان کا انداز تدریس مختلف تھا۔ وہ تلامذہ کو تحقیق اور ریسرچ کی طرف مائل کرتے، تاکہ وہ شخصیت پسندی اور سہل انگاری کی بجائے غوروفکر اور تحقیق وریسرچ کی عادت ڈالیں اور سطور وعبارات کے ظاہری مفاہیم، ان کے عمق وگہرائی اور ہمہ جہت گیرائی کا جائزہ لیں۔ صرف معلومات کو جمع نہ کریں، بلکہ معلومات کی صحت اورعلم کے باب میں قلم کی حیثیت حاصل کریں۔

حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کا تقویٰ، ان کی اخلاقی اور روحانی قدریں ان کے مرشد گرامی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے فیضان نظر کا نتیجہ تھیں۔ اسی لیے وہ اپنے مرشد کریم کا تذکرہ انتہائی والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے۔ مظہراسلام اور منظراسلام کے زمانہ تدریس کو اپنی تدریسی زندگی کا حاصل تصور کیا کرتے تھے۔ سرکار مفتی اعظم کے تقویٰ، پرہیزگاری، ان کے علم وعرفان، ان کے فیوض و برکات کا تذکرہ اس طرح کرتے کہ سامعین خود کو بارگاہ مفتی اعظم میں موجود محسوس کرتے تھے۔ کاش ان کے شاگردوں نے سرکار مفتی اعظم کے حوالے سے ان کے ملفوظات کو جمع کیا ہوتا تو یقیناً ان کی حیات طیبہ کے بہت سے گوشے لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہوتے۔

اپنے ایک مضمون میں وہ اپنے مرشد گرامی کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں کہ ان کے قلم سے نکلا ہوا ہر جملہ سیدی مفتی اعظم کی عظمت کا آئینہ دار، اور ان کی بلند شخصیت کے مختلف گوشوں کی حسین توضیح وتعبیر معلوم ہوتا ہے۔ ان کی تحریر کے صرف دو پیراگراف ملاحظہ فرمائیں۔

''اور پھر جب ذکر وفکر ،صبر وشکر، عشق وعرفان، ضبط وتحمل ،ایثار وتوکل، تسلیم ورضا، خدمت واطاعت، عبادت وریاضت ،زہد و تقویٰ، احتیاط اور صدق وصفا آپ کی زینت کا حاصل بن گیا تو آپ کو محبوبیت کے مقام پر فائز کر دیا گیا۔ دنیا کے متعدد علما اور ذی وجاہت مشائخ کرام آپ کے گرد پروانہ وار نثار ہونے لگے۔ آنکھیں تھیں جو آپ کے دیدار سے سیر نہیں ہو پاتی تھیں، قلوب تھے جو آپ کی عقیدت سے آشنا نہیں ہو پاتے ،زائرین کا یہ حال ہوتا کہ ''اے جلوۂ جاناں نہ، دل دیتا ہوں نذرانہ'' کہہ کر قدموں سے لپٹ جاتے''۔

''خیالوں کی دنیا میں آؤ اور سوچو کہ وہ منظر کتنا دیدہ زیب اور نظر نواز ہوگا جب کوئی ہستی رشد وہدایت کا منبع ،علم وآگہی کا پیکر بن کر پھولوں کی مالاؤں سے سج دھج کر ابوحنیفہ کا علم، عراق کا تصوف، بایزید کا کردار، جنیدی کی گفتار لوگوں میں بانٹ رہی ہوگی۔ علما، صلحا، مشائخ ،اساتذہ، طلبہ اور عوام اپنی اپنی بساط بھر لوٹ رہے ہوں گے''۔

تدریس کے علاوہ خواجہ مظفر حسین نے کئی درجن علمی اور تحقیقی مقالات تحریر فرمائے ہیں، جن میں کچھ مقالات کو ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے ''تحقیقات امام علم وفن'' بقیہ صفحہ 29 پر

بحث وتحقیق

''یزید'' امام اعظم ابوحنیفہ کی نظر میں

محمد حنیف حبیبی مصباحی اڑیسہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت قدس سرہ ایک عظیم المرتبت تابعی، علم شریعت وطریقت کے سنگم، عابد شب زندہ دار، علم فقہ کے مرتب ومدون اور ہر دور میں اہل حق کی اکثریت کے امام وپیشوا کی حیثیت سے عالم اسلام میں متعارف ہیں۔ آپ کا مسلک ومشرب بھی افراط وتفریط سے مامون ومحفوظ اور حزم واحتیاط کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

مثال کے طور پر ''تکفیر یزید'' ہی کے مسئلے کو دیکھ لیجئے۔ یزید کے خرافات، بدعات ومنکرات پھر شہادت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مگر مچھ کا آنسو بہانا اور آپ کے قاتلین کے ساتھ سختی برتنا جیسی دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں، اس لیے اہل علم میں اس کے کفر وایمان کے تعلق سے اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ جن بزرگوں نے کفر کی حد تک یزید کی بدکرداری کو دیکھا اس پر کفر وارتداد کا حکم لگایا اور اس کے نام کے ساتھ لعنت بھیجنے کو جائز قرار دیا۔ جبکہ دیگر بعض علما نے احتمالِ توبہ کی روایت کا لحاظ کر کے اسے مسلمان ہی گردانا اور نام کے ساتھ لعنت بھیجنے کی اجازت نہ دی۔ دونوں طرف علمائے اہل سنت تھے اور ہر ایک کے پاس دلائل بھی؛ جو باہم مختلف و معارض تھے، اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے یزید پلید کی تکفیر کے تعلق سے ''کف لسان'' فرمایا، یعنی نہ آپ یزید کو کافر کہتے ہیں اور نہ ہی اسے مسلمان گردانتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان شاء اللہ تعالیٰ طرفین کے دلائل کا قدرے تفصیل کے ساتھ تذکرہ کریں گے۔ نیز اس سوال کا تجزیہ کرنا چاہیں گے کہ جب شخص واحد کو ایک فریق کافر کہتا ہے تو دوسرے فریق کی خاموشی کی وجہ کیا ہے؟ ساتھ ہی اس کے ضمن میں مجدد دین وملت، امام احمد رضا خاں قدس سرہ کا ''اسماعیل دہلوی'' کی تکفیر سے کفِّ لسان کی حقیقت واضح کریں گے۔ جبکہ اسماعیل دہلوی کے تعلق سے امام علم وفن، علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ رحمہ نے فتویٔ کفر وارتداد صادر فرمایا ہے۔ اس خالص علمی بحث کا غلط فائدہ اٹھا کر حضور اعلیٰ حضرت پر وہابی، دیوبندی کی جانب سے ہونے والے اعتراض کا آپریشن بھی کریں گے۔ **فللہ الحمد والیہ المستعان.**

پہلا ثبوت:

جانبین کے دلائل سے پیشتر آیئے، ان تینوں نظریوں کے اثبات پر طائرانہ نظر ڈالتے چلیں۔ صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی رحمتہ اللہ علیہ بہار شریعت میں فرماتے ہیں:

''یزید پلید فاسق وفاجر مرتکب کبائر تھا۔ معاذ اللہ، اس سے اور ریحانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے کیا نسبت، آج کل جو بعض گمراہ کہتے ہیں کہ ''ہمیں ان کے معاملے میں کیا دخل؟ ہمارے وہ بھی شہزادے، وہ بھی شہزادے'' ایسا بکنے والا مردود خارجی، ناصبی، مستحق جہنم ہے۔ ہاں یزید کو کافر کہنے اور اس پر لعنت کرنے میں علمائے اہل سنت کے تین اقوال ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مسلک سکوت یعنی ہم اسے فاسق وفاجر کہنے کے سوا نہ کافر کہیں نہ مسلمان''۔ (بہار شریعت ج:ا ص:۷۷)

دوسرا ثبوت:

سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سوال ہوا ''کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت اس مسئلہ میں کہ از روئے فرمان اللہ ورسول یزید بخشا جائے گا یا نہیں؟'' جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

الجواب: ''یزید پلید کے بارے میں ائمہ اہل سنت کے تین قول ہیں: امام احمد وغیرہ اکابر اسے کافر جانتے ہیں تو ہرگز بخشش نہ

ہوگی۔امام غزالی وغیرہ مسلمان کہتے ہیں تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو بالآخر بخشش ضرور ہے۔اور ہمارے امام سکوت فرماتے ہیں کہ ہم نہ مسلمان کہیں نہ کافر،لہٰذا یہاں بھی سکوت کریں گے واللہ تعالیٰ اعلم ''(احکام شریعت ج۲ص۸۸)

تکفیر یزید کے اسباب وعلل:

آیئے دیکھیں،آخر روایات واسباب کیا ہیں۔جن کی بنیاد پر اکابر علماء اور جلیل القدر ائمہ یزید کی تکفیر کرنے پر مجبور ہوئے۔

دلیل اول: حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے الصادق المصدوق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا،فرماتے تھے:

هلكة امتي على أيدي غلمةٍ من قريش فقال مروان لعنة الله عليهم فقال اَبوهريرة لو شئتُ اَن اَقولَ بني فلان و بني فلان لفعلتُ.

" کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں سے ہوگی تو (یہ سن کر) مروان نے کہا ان لڑکوں پر اللہ کی لعنت ہو تو حضرت ابوھریرہ نے فرمایا اگر میں چاہوں تو بتادوں کہ وہ فلاں ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں ہیں''۔

(بخاری شریف ج۲ص۱۰۴۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے ثابت ہوا کہ ہلاکت وتباہی کا سبب چند قریشی لڑکے بنیں گے۔قریش کے چند لڑکے کون ہیں؟ شارحین نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔صرف ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔شیخ محقق حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

"درمجمع البحار آورده که ابوهريره مي شناخت ايشان را باسماء اشخاص ايشان و سكوت مي كرد ازتعين و نام بردن ايشان از جهت ترس ومفسده و مراد يزيد بن معاويه و عبيدالله بن زياد ومانند ايشان انداز احداث و نوسالان بنی اميه خذلهم الله و بتحقيق صادرشد ازايشان از قتل اهل بيت پيغمبر صلی الله عليه وسلم و بند كردن ايشان و كشتن خيار مهاجرين و انصار.

''مجمع البحار میں آیا ہے کہ حضرت ابوھریرہ ان لڑکوں کو ان کے ناموں سے پہچانتے تھے مگر ڈر اور فساد کہ وجہ سے ان کا نام ظاہر نہیں فرماتے تھے اور ان لڑکوں سے مراد یزید بن معاویہ اور ابن زیاد اور ان کے مثل بنی امیہ کے دوسرے نوجوان ہیں،اللہ ان کو ذلیل کرے بلاشبہ ان ہی سے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل اور ان کا قید کرنا،خیار مہاجرین وانصار کا قتل کرنا ظہور میں آیا ہے۔''

(اشعۃ المعات ج۴ص۲۸۶)

اس حدیث کے علاوہ کئی روایتیں ہیں جن میں لونڈوں کی حکومت اور بدعقل لڑکوں کی امارت سے دین کو زبردست نقصان کا ذکر ہے،ان سے خاص کر یزید پلید کی حکومت اور اس کی خباثت اور شرارت مراد ہے۔

دلیل دوم: حضرت علامہ علی قادری قدس سرہ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

''قال ابن همام ا ختلف في اكفار يزيد قيل نعم، لما روي عنه مايدل علىٰ كفره من تحليل الخمر و من تفوهه بعد قتل الحسين و اصحابه أني جازيتُهم بما فعلوا باشياخ قريش و صناديدهم في بدر و امثال ذلک و لعله وجه ما قال الامام اُحمد بتكفيره لمَّا ثبت عنده نقل تقريره.

یعنی حضرت ابن ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یزید کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے۔ایک قول تو یہ ہے کہ ہاں وہ کافر ہے،اس لیے کہ اس سے ایسی باتیں ثابت ہیں جو اس کے کفر پر دلالت کرتی ہیں،یعنی شراب کو حلال جاننا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقا کے قتل کے بعد اس کا یہ بکنا کہ میں نے ان سے اس کا بدلہ لے لیا جوانہوں نے قریش کے شیوخ اور سرداروں کے ساتھ جنگ بدر میں کیا تھا،اور بھی اسی طرح کی باتیں اس سے مروی ہیں،اور شاید یہی وجہ ہے کہ جب حضرت امام بن حنبل رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کہ یہ باتیں پایہ ثبوت کو پہنچیں تو

آپ اس کی تکفیر کے قائل ہوئے''۔

دلیل سوم: حضرت علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''الصواعق المحرقۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''اعلم ان اهل السنة اختلفوا في تكفير يزيد بن معاوية و ولي عهده من بعده، قالت طائفة أنه كافر لقول سبط ابن الجوزي و غيره المشهور انه لما جاء راس الحسين رضي الله عنه جمعت اهل الشام وجعل ينكت راسه بالخيزان و ينشد ابيات الزبعرى : ليت اشياخي ببدر شهدوا الخ' الابيات المعروفة و زادفيها بيتين مشتملين على صريح الكفر''۔

(الصواعق المحرقۃ ص:۲۱۸)

''جان لو کہ یزید ابن معاویہ کے کافر ہونے اور امیر معاویہ کے بعد ولی عہد ہونے میں اہل سنت و جماعت کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے کہا کہ وہ کافر ہے، چنانچہ سبط بن الجوزی وغیرہ کا قول مشہور ہے۔ کیونکہ یزید کے پاس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک آیا تو اس نے اہل شام کو جمع کیا اور خیزان کی لکڑی جو اس کے ہاتھ میں تھی اس سے امام کے سر انور کو الٹ پلٹ کرتا تھا اور زبعری کے یہ اشعار جو مشہور ہیں پڑھتا تھا (اے کاش میرے بزرگ جو بدر میں مارے گئے آج زندہ موجود ہوتے) اور اسنے ان شعروں میں دو شعر اور زیادہ کہے جو صریح کفر پر دلالت کرتے ہیں۔''

دلیل چہارم: مشہور صحابی رسول حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ جو یزید کے ہم عصر ہیں، یزید کے تعلق سے فرماتے ہیں:

''فوالله ما خرجنا على يزيد حتى خِفنا ان نرم با لحجارة من السماءِ ان رجلاينكح الأُمهاتِ والبناتِ والاخواتِ وليشربُ الخمر وَيدعُ الصلوٰة''. (طبقات ابن سعد ج۵ ص ۶۶، ابن اثیر ج۴ ص۴۱)

خدا کی قسم! ہم یزید کے خلاف اس وقت اٹھ کھڑے ہوئے جبکہ ہمیں خوف لاحق ہو گیا کہ اس کی بدکاریوں کی وجہ سے ہم پر آسمان سے پتھر نہ برس پڑیں۔ کیونکہ یہ شخص (یزید) ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ نکاح جائز قرار دیتا اور شراب پیتا اور نمازیں چھوڑتا تھا۔''

درج بالا معتبر کتابوں کی عبارتوں سے تو یہ معلوم ہوا کہ یزید محرمات سے نکاح اور شراب کو حلال جانتا تھا اور حرام قطعی کو حلال جاننا یقیناً کفر ہے، اس لیے یزید پر حکم کفر لگایا گیا۔ دوسری روایت کہ اہل شام کے مجمع میں اس نے ''قتل حسین'' پر خوشی کا اظہار کیا۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ ''قتل حسین'' کو حلال سمجھتا تھا اور ایسے اشعار بھی پڑھے جو صریح کفر پر مشتمل تھے، اس لیے جن لوگوں کے نزدیک یہ روایت ثابت ہوگئی انہوں نے اس کو کافر کہا۔

وہ روایتیں جن کی وجہ سے بعض علما نے کافر نہیں کہا:

کسی کو کافر کہنے کے لیے اس کے کفر کا قطعی علم ضروری ہے۔ علم قطعی خبر متواتر اور روایت متواترہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ روایتیں جن کی بنا پر حکم کفر صادر کیا گیا وہ کیسی ہیں؟ تو تحقیق یہی ہے کہ وہ روایتیں متواتر نہیں۔ امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ''اس خبیث سے ظلم و فسق و فجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۰۷) اس لیے جو علما یزید کو کافر نہیں کہتے وہ یہ کہتے ہیں کہ اشعار کا صریح کفر پر مشتمل ہونے والی اور شراب حلال جاننے والی روایت سے قطعی علم حاصل نہیں ہوا۔

پہلی روایت: رہی یہ بحث کہ قتل امام پر یزید نے خوشی کا اظہار کیا جس سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ وہ قتل امام کو حلال جانتا تھا، تو اس کے خلاف بھی روایتیں ملتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید قتل امام کو حلال نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

''وقالت طائفة ليس بكافر، لان الاسباب

الموجبة للكفر لم يثبت عندنا منها شئ، والاصل بقاء ہ على اسلامه حتى يعلم ما يخرجه عنه، و ما سبق انه المشهور يعارضه ما حكى أن يزيد لما وصل اليه راس الحسين قال رحمك الله يا حسين لقد قتلك رجل لم يعرف حق الارحام وتنكر لابن زياد، و قال قد زرع لي العداوة في قلب البر والفاجر وردّ نساء الحسين ومن بقي من بنيه مع رأسه الى المدينة ليدفن الراس بها" (الصواعق المحرقه المصري ص ۱۳۴)

''اور ایک گروہ کہتا ہے کافر نہیں ہے، اس لیے کہ ہمارے نزدیک کفر کو واجب کرنے والے اسباب میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے، اور اصل میں وہ اپنے اسلام پر باقی ہے جب تک کہ ایسی چیز نہ جان لی جائے جو اس کو اسلام سے خارج کر دے۔ اور وہ مشہور بات جو گزری، اس کے مخالف بھی روایت ہے کہ جب اس کے پاس حضرت امام حسین کا سر اقدس پہنچا تو اس نے کہا، ''اے حسین! اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ کو ایسے شخص نے قتل کیا جس نے رشتہ داروں کا حق نہیں پہچانا۔'' اس نے ابن زیاد کو برا جانا اور کہا کہ اس نے میری عداوت کے بیج ہر اچھے اور برے کے دل میں بو دیا ہے۔ اور امام حسین کی مستورات کو اور ان کے صاحبزادوں میں سے جو بچ گئے تھے ان کو سر اقدس کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا تاکہ سر اقدس کو دفن کیا جا سکے۔''

دوسری روایت: تاریخ طبری میں ہے۔

"وحدثني مولىٰ لمعاوية ابن أبي سفيان قال لما أتي برأس الحسين فوضع بين يديه قال رايته يبكي و قال لو كان بينه و بينه رحم ما فعل هذا" (تاریخ طبری ج۴ص۲۹۶)

''اور مجھ سے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے غلام نے بیان کیا کہ جب یزید کے پاس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو لایا گیا اور اس کے سامنے رکھا گیا تو میں نے اس کو روتے ہوئے دیکھا، اور اس نے کہا کاش ان کے اور اس کے درمیان کوئی رشتہ ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتا۔''

اسی تاریخ طبری ج۴ص۳۵۲ پر یہ بھی ہے۔

"فدمعت عين يزيد و قال قد كنت أرضى من طاعتكم بدون قتل الحسين، لعن الله ابن سمية، أما والله لو اني صاحبه لعفوت عنه فرحم الله الحسين."

یعنی یزید کی آنکھ ڈبڈبا گئی اور کہا کی میں بغیر قتل حسین کے تمہاری طاعت وفرمابرداری سے راضی تھا۔ ابن سمیہ پر اللہ کی لعنت ہو۔ سنو بخدا اگر میں ان کے ساتھ ہوتا تو ان سے درگزر کرتا، بس اللہ حضرت حسین پر رحم فرمائے۔''

تیسری روایت: تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۸ پر ہے۔

"لما قتل الحسين و بنو ابيه بعث ابن زياد بروسهم الى يزيد فسر بقتلهم اولاً، ثم ندم لما مقته المسلمون علىٰ ذلک و أبغضه الناس و حق لهم ان يبغضوه."

جب حضرت امام حسین اور آپ کے برادران رضی اللہ عنہم قتل کیے گئے تو ابن زیاد نے ان کے مبارک سروں کو یزید کے پاس بھیجا تو یزید پہلے تو ان کے قتل سے خوش ہوا، لیکن جب لوگوں نے اس کی اس حرکت پر اس سے نفرت کی۔ اور لوگوں کو اس سے نفرت کرنے کا حق بھی ہے۔ تو وہ نادم ہوا۔''

مذکورہ بالا روایتوں سے اگر چہ صراحۃً توبہ کا پتہ نہیں چلتا، لیکن توبہ کا احتمال ضرور پیدا ہوتا ہے۔ احتمال کی حالت میں کسی کی جانب گناہ کبیرہ کی نسبت نہیں کر سکتے، چہ جائیکہ کفر کی نسبت کی جائے۔ جیسا کی سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ

''لہٰذا امام احمد اور ان کے موافقین اس پر لعنت فرماتے ہیں، اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعن وتکفیر سے احتیاطاً سکوت' کہ اس سے فسق وفجور متواتر ہیں، کفر متواتر نہیں۔ اور بحال احتمال نسبت کبیرہ بھی جائز نہیں، نہ تکفیر۔ اور امثال وعیدات مشروط بعدم

توبہ ہیں ۔لقولہ تعالیٰ:''فسوف یلقون غیاً الا من تاب'' اور توبہ تادم غرغرہ مقبول ہے، اور اس کے علم پر جزم نہیں، اور یہی احوط و اسلم ہے'' (فتاوی رضویہ ج۶ص۱۰۷)

یزید کی تکفیر کے تعلق سے سکوت کرنے کو اعلیٰ حضرت نے احوط واسلم کہا، اور علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے محقق کا شیوہ قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

''ومن ثم قال جماعة من المحققين أن الطريقة الثابتة القويمة في شانه التوقف فيه و تفويض أمره الى الله سبحانه لانه العالم با لخفيات والمطلع على مكنونات السرائر، وهو أجس الضمائر لانتعرض لتكفيره أصلا، لان هذا هو الاحرى و الاسلم''(الصواعق المحرقة مصری ۱۳۱)

یعنی محققین کی ایک جماعت نے یزید کے سلسلے میں یہ کہا کہ اس کے بارے میں درست راہ یہ ہے کہ توقف کیا جائے، اور اس کے معاملہ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کیا جائے ۔اس لیے کہ وہی دلوں کی مخفی باتوں اور خطرات کو جانتا ہے۔اس لیے ہم سرے سے اس کی تکفیر کے درپے نہیں ہیں، کیوں کہ یہی مناسب اور اسلم راہ ہے۔''

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کو ایک ضابطہ کے تحت کچھ یوں بیان فرمایا:

اور بعضے علما کے نزدیک ثابت ہوا کہ دونوں طرح کے روایات میں تعارض ہے اور کوئی ایسی وجہ ثابت نہ ہوئی کہ اس کے اعتبار سے ایک جانب کی روایات کو ترجیح ہو سکے تو ان علمانے احتیاطاً اس مسئلہ میں توقف کیا، اور جب روایات میں تعارض ہو اور کوئی وجہ کسی روایت کی ترجیح کے لیے نہ ہو تو علما پر یہی واجب ہے، یعنی حکم دینے میں توقف کرنا واجب ہے، اور امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے۔'' (فتاویٰ عزیزیہ اردو ج اص ۲۵۲)

درج بالا روایات کی روشنی میں یہ معلوم ہوگیا کہ یزید کی تکفیر سے کف لسان فرمانا' یہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعلیٰ درجہ کا حزم واحتیاط اور یہی مسلک سالم بلکہ اسلم واحوط ہے۔

اسماعیل دہلوی یزید کی طرح ہے:

موضوع کی مناسبت سے اگر چہ اب ہماری گفتگو کسی حد تک ہوچکی ہے، لیکن اس جگہ ایک شبہ کا ازالہ کیے بغیر ہم اپنی بات نا تمام ہی سمجھیں گے۔ وہ یہ کہ اسماعیل دہلوی کے تعلق سے امام علم وفن، حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے ''حکم کفر'' صادر فرمانے کے باوجود امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ''سکوت'' فرمایا، جیسا کہ الملفوظ ج:اص:۲ ۱۷ پر ہے ''میرا مسلک یہ ہے کہ وہ (اسماعیل دہلوی) یزید کی طرح ہے، اگر کوئی کافر کہے منع نہیں کریں گے اور خود کہیں گے نہیں''

شبہ یہ ہے کی یزید کو امام احمد بن حنبل اور ان کے موافق علمانے کافر کہا، جبکہ امام غزالی نے کافر نہیں کہا، مسلمان جانا۔اور امام اعظم نے بھی اسے کافر نہیں کہا، بلکہ سکوت اختیار فرمایا۔ایسے ہی ''اسماعیل دہلوی'' کو امام علم وفن، حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی نے کافر کہا ، جبکہ اعلیٰ حضرت نے کافر نہیں کہا سکوت فرمایا، تو امام احمد بن حنبل اور علامہ خیرآبادی کے فتاویٰ کے اعتبار سے امام غزالی، امام اعظم اور امام اہل سنت پر کیا حکم شرع عائد ہوتا ہے؟

اس شبہہ کو بنیاد بنا کر وہابی اور دیوبندی حضرات بہت شور و غوغا کرتے ہیں۔اس شبہہ کے ازالہ کے تعلق سے ایک ضابطہ پیش نظر ہونا ضروری ہے۔بہتر ہے یہ کلیہ ہمارے قلم کی بجائے محقق عصر، شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے قلم حق رقم سے ملاحظہ فرمائیں۔مفتی صاحب رقمطراز ہیں:

سب سے پہلے آپ کو یہ معلوم کرنا چاہیے کسی مسلمان کی تکفیر کے سلسلے میں علمائے اسلام کے دو گروہ ہیں۔ایک گروہ جمہور فقہا کا ہے۔ یہ لوگ قائل کے کلمہ کفر پر مطلع ہوجانے کے بعد ظاہر معنی پر حکم کفر دیتے ہیں، قائل کی نیت سے بحث نہیں کرتے، یعنی اگر قول کے چند معانی ہوں، ایک معنی حکم اسلام کا پہلو بھی رکھتا ہو تو ان کو

اس سے بحث نہیں ہوتی کہ ہوسکتا ہے قائل نے اسلام ہی والا پہلو مراد لیا ہو، بلکہ وہ ظاہری معنی پر حکم کفر لگا دیتے ہیں، یوں ہی بعید تاویل کو بھی قبول نہیں کرتے، اور اس قائل سے توبہ و رجوع کی خبر جو پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی تسلیم نہیں کرتے۔ اور دوسرا گروہ متکلمین و محتاطین فقہا کا ہے، ان کے نزدیک اگر قول کفر کئی معانی ہو اور ان میں کوئی معنی ایسا بھی ہو جو حکم اسلام کا پہلو رکھتا ہو، اور قائل نے یہ بیان نہیں کیا ہے کہ اس نے کون سا معنی مراد لیا ہے، تو نیت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یہ اس کو کافر کہنے سے احتیاطاً زبان روک لیتے ہیں، کہ ہوسکتا ہے کہ قائل نے وہی معنی مراد لیا ہو جو حکم اسلام کا پہلو رکھتا ہے۔ اور اگر قائل اپنے قول کی بعید سے بعید تاویل کرے تو یہ اس کو قبول کر لیتے ہیں، یوں ہی توبہ و رجوع کی خبر جو پائے ثبوت کو نہیں پہنچتی اس کی وجہ سے بھی کف لسان کرتے ہیں۔ ہاں اگر متکلم نے کفری معنی ہی کو اپنی مراد بتایا تو دونوں گروہ اس کی تکفیر میں متحد ہوتے ہیں، اسی طرح وہ کلمہ کفر جو بالکل صریح ہوتا ہے جس میں تاویل کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی دونوں گروہ اس کے قائل کو کافر کہتے ہیں۔'' (مقالات شارح بخاری ج ۲ ص ۵۲،۵۳)

اس سے معلوم ہوا جس طرح یزید، امام بن حنبل کے نزدیک کافر ہے اور امام اعظم نے احتیاطاً تکفیر سے کف لسان فرمایا ہے اسی طرح اسماعیل دہلوی علامہ فضل حق خیرآبادی کے نزدیک کافر ہے اور مجدد اعظم نے احتیاطاً اس کی تکفیر سے کف لسان فرمایا ہے۔ یزید اور اسماعیل دہلوی کو ''جمہور فقہا'' کے مذہب پر کافر قرار دیا گیا۔ اور ''مذہب متکلمین'' پر ان دونوں کی تکفیر سے ''کف لسان'' کیا گیا ہے۔

لہٰذا اس سلسلہ میں جس طرح کسی شخص کو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے بالکل اسی طرح کسی بد مذہب کو مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ پر انگشت نمائی کا قطعاً کوئی حق نہیں ہے۔

خادم الحدیث دار العلوم مجاہد ملت، دھام نگر شریف، اڑیسہ۔

صفحہ 23 کا بقیہ:

کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر دیے ہیں۔ یہ ان کا ملت پر بڑا احسان ہے، ورنہ یہ مقالات ہماری بے حسی کی نذر ہو جاتے۔ ان مقالات میں علامہ موصوف عصر حاضر کے بہت سے مختلف فیہ مسائل پر اپنی گراں قدر تحقیقات پیش فرمائی ہیں

اور جس عنوان پر بھی قلم اٹھایا ہے، حق ادا کر دیا ہے۔ رویت ہلال، قطب شمالی کے شب و روز، علم ہندسہ اور امام احمد رضا، ما ئیکروفون، اصطرلاب کی دریافت، امام احمد رضا اور علم جفر، ویڈیو کی تصویر، اصلی یا فرضی، مختلف ملکوں میں لاؤڈ اسپیکر پر اقتدا کا حکم، نزول افق کا گمشدہ فارمولا، علم اور علما اور امام احمد رضا کا مقام، اعضا کی پیوندکاری، اور اس طرح کے کم و بیش ۵۵/ مقالات ہیں جن میں ہر مضمون اہل علم کو دعوت مطالعہ دے رہا ہے کہ:

''کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست''۔

امام علم و فن نے اپنے مقالات میں فلسفہ، منطق، فلکیات، ریاضی، علم جفر اور لوگارثم کی رقیق عربی اصطلاحات کو اردو زبان میں جس خوبصورتی سے پیش کیا ہے، یہ انہیں کا حق تھا۔ خواجہ صاحب نے کئی مقالات میں اپنے معاصر علما سے اختلاف کیا ہے، مگر ان کا سلوک تنقید انتہائی شائستہ، باوقار اور متوازن ہے۔ انھوں نے کہیں بھی اپنے قلم کے وقار کو مجروح نہیں ہونے دیا ہے۔ خواجہ صاحب کی تحقیق سے اختلاف کا حق ہر صاحب علم کو ہے، مگر اس کا اعتراف سب کو ہے کہ انھوں نے ہر مقالے کو انتہائی تحقیق سے مرتب فرمایا ہے۔

خواجہ گرامی وقار فکر و فن کے بلند ترین مقام پر فائز ہونے کے باوجود انتہائی منکسر المزاج اور خورد نواز تھے۔ حزم و احتیاط، تقویٰ اور پرہیزگاری کے اعتبار سے بہت ممتاز تھے۔ مسائل میں اپنے مرشد کریم کے مسلک عزیمت پر گامزن تھے اور رخصتوں سے فائدہ اٹھانے کا مزاج نہیں رکھتے تھے۔ وہ خیر الاذکیا تھے۔ امید کہ ان کے تلامذہ ان کا تفصیلی حیات نامہ لکھیں گے۔

سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن مانچسٹر انگلینڈ

۵/ نومبر ۲۰۱۳ء

بحث وتحقیق　　**قسط اول**

شیعہ امامیہ اور اصول روایت: عرض ونقد

مفتی ازہار احمد امجدی ازہری

مسلمانوں کے تہتر فرقوں میں سے ایک بہت بڑا فرقہ شیعہ کا ہے۔ شیعہ کے بھی بہت فرقے ہیں، ان میں سے ایک اہم فرقہ شیعہ امامیہ ہے جسے اثناعشریہ بھی کہا جاتا ہے، اس فرقہ نے کسی حد تک اصول روایت کے متعلق تصنیف وتالیف میں حصہ لیا ہے۔ احادیث کی تعریفات وغیرہ میں اہل سنت وجماعت سے کسی قدر ہم آہنگی ہے، مگر عموماً اہل سنت وجماعت سے ہٹ کر ان کے اصول وضوابط کا ایک خاص رنگ ڈھنگ ہے، اسی کے مطابق وہ حدیث کو قبول اور رد کرتے ہیں، شاید اسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو اس فن کا موجد سمجھتے ہوئے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس فن میں وہ لوگ سابقین اولین میں سے ہیں، اس پر دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ امام ابوعبداللہ بن محمد بن حمدویہ حاکم نیسا پوری رحمہ اللہ نے 'معرفۃ علوم الحدیث' تصنیف فرمائی اور یہ شیعہ تھے، ان کی وفات چار سو پانچ ہجری (۴۰۵ھ) میں ہوئی۔

اگر امام حاکم نیسا پوری رحمہ اللہ کے بارے ان کا یہ دعویٰ قبول کر بھی لیا جائے تو بھی ان کی یہ بات زمینی حقیقت کے بالکل خلاف ہے، کیوں کہ اہل سنت وجماعت کے محدثین وفقہا اس فن کے متعلق ۳۶۰ھ سے پہلے ہی علم فقہ، علم اصول فقہ وغیرہ میں مختلف طریقے سے گفتگو کر چکے ہیں اور اہل سنت وجماعت کی جانب سے مستقل طور پر اس فن میں پہلی کتاب بنام 'المحدث الفاصل بین الراوی والواعی' تصنیف کی جا چکی ہے۔ اس کتاب کے مصنف کا اسم گرامی ابومحمد حسن بن عبدالرحمٰن رامہرمزی رحمہ اللہ ہے۔ آپ کی وفات تین سو ساٹھ ہجری (۳۶۰ھ) میں ہوئی۔ شیعہ امامیہ کا اس فن میں سبقت پر امام حاکم نیسا پوری رحمہ اللہ سے استدلال کرنا چند وجوہ سے درست نہیں۔

(۱) جس امام حاکم رحمہ اللہ کو شیعہ اپنے فرقہ کا سمجھتے ہیں، یہ صاحب ''معرفۃ علوم الحدیث'' نہیں ہیں، بلکہ وہ صاحب ''مناقب الرضا علیہ السلام'' ہیں، جس کا نام ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن احمد خزاعی نیسا پوری ہے۔

(۲) شیعہ امامیہ کے شیخ عبداللہ مامقانی نے اپنی کتاب ''مقباس الهدایۃ فی علم الروایۃ'' میں صراحت کی ہے کہ امام حاکم نیسا پوری رحمہ اللہ علمائے عامہ یعنی علمائے اہل سنت وجماعت سے ہیں۔

(۳) امام حاکم رحمہ اللہ صاحب ''معرفۃ علوم الحدیث'' کا شیعیت کی طرف میلان تھا، مگر وہ رافضی نہیں تھے۔ وہ ہر حال میں شیخین کریمین یعنی خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق وخلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی تعظیم کرتے تھے۔

بہر کیف اس فن کے موجد اور کما حقہ اس کو فروغ دینے والے اہل سنت وجماعت ہی ہیں۔ ہاں، شیعہ امامیہ کے علما نے بھی رجال حدیث اور متون احادیث پر کتابیں لکھی ہیں اور ان کے کچھ خاص اصول وضوابط بھی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میں اپنے اس مضمون میں پہلے نقد وجرح کے ساتھ حدیث وسنت کی تعریف، پھر عدد راوی اور قبول ورد کے اعتبار سے احادیث کی تقسیم وغیرہ پیش کروں گا، اس کے بعد رجال حدیث اور متون حدیث پر تصنیف کی ہوئی کتابوں کے متعلق گفتگو ہوگی: وما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت والیہ انیب۔

شیعہ امامیہ کے شیخ عبداللہ مامقانی نے لکھا ہے۔

حدیث کی لغوی تعریف: حدیث کلام کا مرادف ہے۔ حدیث کی اصطلاحی تعریف: عرف شرع میں حدیث اس کو کہتے ہیں جس کی اضافت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی ہو۔ شیعہ امامیہ کے بعض علما نے حدیث کی اصطلاحی تعریف یوں کی ہے: حدیث

معصوم کے قول، یا ان کے قول، فعل یا تقریر کی حکایت کو کہتے ہیں۔

توضیح: شیعہ امامیہ کے نزدیک معصوم علیہ السلام سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا بارہ ائمہ اہل بیت میں سے کوئی ایک ہیں۔ (اصول الروایۃ عند الشیعۃ الامامیۃ/عبد المنعم فرماوی، ص۱۴۵)

خبر کی لغوی تعریف: خبر وہ ہے جو غیر کے بارے میں کچھ نقل کرے اور اپنے بارے میں کچھ بتائے اور یہ بذات خود صدق وکذب کا احتمال رکھتا ہے۔ شیعہ امامیہ کے شیخ مامقانی نے خبر کی اصطلاحی تعریف نہیں کی ہے، مگر لکھا: کبھی خبر کا اطلاق ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ ہوتا ہے جو معصوم علیہ السلام کے علاوہ کسی صحابی یا تابعی یا تمام علما سے وارد ہو۔ (مقباس الهدایۃ فی علم الدرایۃ/مامقانی، ج۱ص۵۵)

حدیث اور خبر کے درمیان فرق کے متعلق مختلف اقوال ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حدیث وخبر مترادف ہیں۔ (۲) حدیث، خبر سے اخص ہے۔ خبر ہر انسان کے قول کو عام ہے اور حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کے ساتھ خاص ہے۔ (۳) دونوں کے درمیان تباین ہے۔ حدیث، معصوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور معصوم امام علیہ السلام کی مرویات کے ساتھ خاص ہے اور خبر ان کے علاوہ کی مرویات کے ساتھ خاص ہے۔ (مقباس الهدایۃ/مامقانی، ج۱ص۵۸)

اثر، حدیث اور خبر کے درمیان فرق کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اثر، خبر وحدیث، دونوں سے عام ہے، ان میں سے ہر ایک کو اثر کہا جاتا ہے۔ (۲) بعض لوگوں نے کہا: اثر خبر کے مساوی ہے (۳) بعض لوگوں نے کہا: اثر اسے کہتے ہیں جو صحابی سے مروی ہو، حدیث اسے کہتے ہیں جو حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو اور خبر دونوں کو عام ہے، یعنی دونوں کے لیے بولی جاتی ہے۔ (مقباس الهدایۃ/مامقانی، ج۱ص۶۴)

توضیح: شیعہ امامیہ کے نزدیک حدیث، خبر اور اثر کی تعریفات اور ان کے درمیان مقارنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب چیزیں اہل سنت و جماعت کے نزدیک ان مصطلحات کی تعریفات سے بہت قریب ہیں، البتہ ان لوگوں نے اپنے مذہب کے اعتبار سے جو ''معصوم علیہ السلام'' کا اضافہ کیا ہے، وہ اہل سنت وجماعت کی فکر سے بالکل الگ ہے۔

سنت کی لغوی تعریف: سنت لغت میں طریقہ کو کہتے ہیں۔

سنت کی اصطلاحی تعریف: جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا مطلق معصوم کے قول یا فعل یا تقریر سے صادر ہو۔ (مقباس الهدایۃ/مامقانی، ج۱ص۶۸)

شیعہ امامیہ کے نزدیک سنت کی تعریف کے اعتبار سے سنت کی تین قسمیں ہیں: (۱) سنت قولیہ (۲) سنت فعلیہ (۳) سنت تقریریہ۔

شیعہ امامیہ کے شیخ مامقانی نے سنت قولیہ اور تقریریہ کی طرف اشارہ نہیں کیا اور صرف سنت فعلیہ کی تعریف اور اس کی اقسام کے بیان پر اکتفا کرتے ہوئے لکھا:

سنت فعلیہ: جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امام علیہ السلام نے کیا ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) سنت فعلیہ نبویہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طبعی، عادی یا اس مجہول فعل کو کہتے ہیں، جس کی وجہ ظاہر نہ ہوسکی، ہمیں اس کی تعلیل کی اجازت نہیں اور نہ ہی ہم سے اس کی اقتدا کرنے کا مطالبہ ہے۔

(۲) سنت فعلیہ امامیہ: اس کی دو قسمیں ہیں: (الف) ایک وہ جس میں تقیہ جائز ہے، پھر مکلّف خاص کر اس مسئلہ میں تقیہ کے وقت ماذون ہوگا، جیسے وضو میں دونوں پاؤں کا دھلنا وغیرہ، ضرورت کے وقت مکلّف کو اس کا کرنا صحیح ہوگا اور کسی بھی وقت اس کے اعادہ کی حاجت نہیں ہوگی، یا ماذون نہیں ہوگا، جیسے غیر قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز وغیرہ پڑھنا، ضرورت کے وقت اس طرح کے حکم کو بجا لانا قطعی طور پر صحیح ہوگا، مگر وقت ملنے پر اس کا اعادہ لازم ہوگا (ب) دوسرے وہ جس میں تقیہ جائز نہیں، اگر حکم صرف معصوم علیہ السلام کی جہت ہی سے معلوم ہو تو اس کے متعلق تقیہ جائز نہ ہونے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہے۔ (مقباس الهدایۃ/مامقانی، ج۱ص۷۷)

توضیح: شیعہ امامیہ صرف اسی سنت کو مانتے ہیں جو اہل بیت کے طریق سے یعنی: **الصادق، عن أبیه الباقر، عن أبیه زین العابدین، عن الحسن السبط، عن أبیه أمیر المؤمنین، عن رسول الله صلی الله علیه وسلم** مروی ہو؛ اس لیے ہر وہ حدیث جو ان کے غیر سے مروی ہے یا اسناد میں کوئی ایسا راوی ہے جو ان کے طریقہ پر نہیں اور امامی نہیں ہے تو وہ ساقط الاعتبار ہے، خواہ وہ صحابی ہی کیوں نہ ہو؛ اسی وجہ سے ان کے نزدیک حضرت ابوہریرہ، سمرہ بن جندب، مروان بن الحکم، عمر بن الخطاب اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ (اصل الشیعۃ واصولھا، ص۷۹)

قابل توجہ امور

اول: شیعہ امامیہ نے سنت فعلیہ کی دو قسم یعنی سنت فعلیہ نبویہ اور سنت فعلیہ امامیہ بتائی۔ یہ تقسیم ان کے اپنے مذہب کی بنیاد پر ہے کہ ائمہ کے افعال سنت سے ہیں، اس لیے وہ ان کی سنت فعلیہ سے استدلال کرتے ہیں۔

دوم: شیعہ امامیہ نے سنت اور حدیث وغیرہ کی تعریف کی ،مگر ان میں صفت خَلقیہ اور خُلقیہ کو داخل نہیں کیا، حالاں کہ ان تعریفات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کا اضافہ بہت اہمیت کا حامل ہے اور یہ کتنے بڑے عیب کی بات ہے کہ جس عظیم شخصیت کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے ہمیں کفر کے اندھیروں سے اسلام کے اجالوں کی طرف لایا، ہم اسی کی صفات سے لاعلم رہیں۔

سوم: ان کے ائمہ کے کلام، فعل اور تقریر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام، فعل اور تقریر کے برابر ہیں، جو اس بات کی واضح طور پر نشان دہی کرتا ہے کہ ان کے ائمہ کو حق تشریع حاصل ہے اور ان کے اقوال وتقریرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وتقریر کی طرح ان کے متبعین کے لیے برابر برابر حجت ہیں۔

یہاں پر ان کی کتاب ''الکافی رکلینی'' سے اس پر بعض شواہد مندرجہ ذیل ہیں۔ کتاب ''الکافی'' کا مقام شیعہ کے نزدیک وہی ہے، جو اہل سنت وجماعت کے یہاں ''صحیح البخاری'' کا مقام ہے۔

(الف) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرح ہے، ابوعبداللہ علیہ السلام سے مروی، کہتے ہیں: ''جس پر حضرت علی نے عمل کرنے کا حکم دیا ہے، اس پر عمل کروں گا اور جس سے روکا، اس سے باز رہوں گا؛ کیوں کہ ان کی فضیلت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرح ہے''۔ (الکافی رکلینی، کتاب الحجۃ، باب أن الأئمۃ أرکان الأرض، ج۱ص۱۹۶)

(ب) جبریل ومیکائیل علیہما السلام سے بھی بڑی کوئی مخلوق ہے، جو شیعہ امامیہ کے عقیدہ کے مطابق ائمہ اہل بیت کے ساتھ رہتی ہے۔ ابوبصیر کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿**وکذلک أوحینا إلیک روحا من أمرنا ما کنت تدری ما الکتاب و لا الإیمان**﴾ (سورہ شوریٰ: آیت: ۵۲) کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''اس سے مراد جبریل و میکائیل سے بڑی، اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے، جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر انہیں خبر دیتی اور ان کی رہنمائی کرتی، اور اب وہ مخلوق ان کے بعد ائمہ کے ساتھ ہے''۔

(الکافی رکلینی، کتاب الحجۃ، باب الفرق بین الرسول والنبی و المحدث، ج۱ص۱۷۶)

(ج) شیعہ امامیہ کے عقیدہ کے مطابق ائمہ اہل بیت کے پاس ایسے پوشیدہ علوم ہیں، جو کسی کے پاس نہیں، اور وہ علوم یہ ہیں: (۱) علم کے ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازے سے علم کے ہزار دروازے کھلتے ہیں (۲) الجامعۃ، ایک صحیفہ ہے، جس کو حضرت رسول اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے املا کرایا اور اپنے مبارک ہاتھ سے لکھا ہے، اس میں ہر حلال وحرام کا بیان موجود ہے (۳) الجفر، یہ آدم (علیہ السلام) کا ایک برتن ہے، جس میں انبیا، اوصیا اور بنی اسرائیل کے علما کا علم ہے (۴) مصحف فاطمہ، یہ موجودہ قرآن کی مثل ہے اور اس میں موجودہ قرآن میں سے ایک حرف بھی نہیں پایا جاتا (۵) جو ہو چکا ہے اور جو قیامت تک ہونے والا ہے، اس کا علم۔

(الکافی رکلینی، کتاب الحجۃ، باب فیہ ذکر الصحیفۃ والجفر والجامعۃ ومصحف فاطمۃ علیہا السلام، ج۱ص۲۴)

☆ (ایم اے: حدیث (جامع ازہر مصر) ☆

قومی مسائل قسط پنجم

برطانوی ہند میں پرسنل لا کا تحفظ

{Protection of Personal Laws in British India}

طارق انور مصباحی
{tariqueanwer313@gmail.com}

ہندوستان وہ ملک ہے، جہاں فاتح سندھ محمد بن قاسم (۶۲ھ-۹۸ھ-۶۸۱ء-۷۱۷ء) کے عہد سے آخری مغل تاجدار سلطان غازی بہادر شاہ ظفر کے عہد (۱۸۵۷ء) تک تقریباً ساڑھے گیارہ سو سال تک مسلمانوں کی سلطنت وحکومت قائم رہی۔ آج یہاں مسلمانوں کا جینا حرام ہو چکا ہے۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے خلیفہ ولید بن عبدالملک (م۹۶ھ-۷۱۵ء) سے اجازت لے کر اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو سندھ بھیجا۔ انہوں نے سال ۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء میں سندھ کے بہت سے علاقوں کو فتح کر کے وہاں اسلامی حکومت قائم کر دی، یعنی ہندوستان میں ۷۱۲ء سے باضابطہ اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔ ۹۳ھ تا ۱۲۷۳ھ مطابق ۷۱۲ء تا ۱۸۵۷ء قریباً ۱۱۴۵/ سال یہاں مسلم حکومت قائم رہی۔

سال ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک یعنی نوے (۹۰) سال ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ رہا۔ ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا۔ اب ستر سالوں سے ملک ہند میں جمہوری حکومت قائم ہے، اور ملک کی غلط سیاسی پالیسیوں کے سبب ہندوستانی مسلمانوں کی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے۔ یہی حال ملک کی غیر آرین اقوام یعنی شودروں کی بھی ہے۔ عہد حاضر میں شودروں کو ''دلت'' کہا جاتا ہے۔ ملک میں انتہائی حکمت عملی کے ساتھ ''برہمن واد'' کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ اسی برہمن واد کو قانونی حیثیت دینے کے لیے ملک کو ''ہندو راشٹر'' قرار دینے کی زبردست کوششیں ہو رہی ہیں۔

سال ۱۷۹۸ء میں ویلے سیلی {Wellesley} (۱۷۶۰ء-۱۸۴۲ء) (مدت گورنری: ۱۷۹۸ء-۱۸۰۵ء) ہندوستان میں انگلینڈ سے وائسرائے آف انڈیا بن کر آیا۔ ہندوستان میں سلطنت میسور کے علاوہ ساری حکومتیں انگریزوں کے تابع فرمان ہو چکی تھیں، حتیٰ کہ دہلی کے سلاطین مغلیہ بھی انگریزوں کے وظیفہ خوار بن چکے تھے۔ انگریزوں نے شیر میسور سلطان ٹیپو کو راستے کا آخری پتھر تصور کرتے ہوئے سلطنت میسور پر ضرب کاری لگانے کی تدبیریں کرنی شروع کر دیں۔ انجام کار شیر میسور سلطان ٹیپو اپنے بعض غدار عہدہ داروں کی غداری و فریب کاری کے سبب انگریزوں کے ساتھ میسور کی جنگ کے دوران سال ۱۷۹۹ء میں شہید ہو گئے۔

شیر میسور کی شہادت کے بعد اب کوئی طاقتور حکمراں نہ تھا جو ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی محافظت کر سکے۔ خود سلاطین مغلیہ کئی پشتوں سے انگریزوں کے وظیفہ خوار ہو چکے تھے۔ انگریزوں کے بالمقابل سلطان ٹیپو ہندوستان کی آخری دیوار تھے۔ ان کی شہادت کے بعد برطانوی حکومت نے بہت آسانی کے ساتھ پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ ہندوستان کے تحفظ وبقا کے لیے سلطان ٹیپو آخری سرحد تھے، جنہوں نے اپنے آپ کو ملک وملت کے لیے قربان کر دیا، لیکن انگریزوں کی غلامی قبول نہ کی۔ ہندوستان کی آزادی کے لیے سلطان ٹیپو جیسی عظیم شخصیتیں آئیڈیل اور نمونہ بنیں اور ان کے ہی نقش قدم پر چلتے ہوئے بعد کے مجاہدین آزادی نے اپنا خون جگر دے کر ملک کو انگریزوں

کے پنجے سے آزاد کرایا۔

ہندوستان کے برہمن ہمیشہ ملک ہند میں سلطنت اسلامیہ کے لیے درد سر بنے رہے۔ سلطنت مغلیہ کے عہد اخیر میں وہ در پردہ انگریزوں کے ساتھ مل کر ملک ہند سے اسلامی حکومت وسلطنت کی پامالی کے لیے انگریزوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ کفار ومشرکین بھی ہمارے دشمن ہیں، اور یہود ونصاریٰ بھی ہمارے ازلی دشمن ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی وارد ہوا﴿لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (سورہ بقرہ - آیت ۱۲۰)

کافر ہر فرد وفرقہ دشمن مارا مرتد، مشرک، یہود وگبر وترسا

ملک ہند پر انگریزوں کے غاصبانہ قبضہ کو دیکھ کر سال ۱۸۵۷ء میں علامہ فضل حق خیرآبادی (۱۲۱۲-۱۲۷۸ھ-۱۷۹۷ء-۱۸۶۱ء) ودیگر علمائے اہل سنت نے انگریزوں سے جہاد کا فتویٰ صادر فرمایا اور جنرل بخت خاں کی قیادت میں ہندوستانی فوج انگریزوں سے نبرد آزما ہوئی، لیکن اپنوں کی غداریوں اور بعض مغل شہزادوں کی نااہلی کے سبب اہل وطن یہ جنگ ہار گئے۔ ہندوستان کے آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں نے گرفتار کے رنگون بھیج دیا، رنگون ہی میں ۱۸۶۲ء میں بہادر شاہ ظفر کی وفات ہوئی۔ اب ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا نام ونشان مٹ چکا تھا۔

برطانوی حکومت کی تقویت کے لیے انگریزوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین منافرت کو فروغ دینے کی نوع بہ نوع کوششیں کیں۔ اسی طرح برہمنوں نے اپنے تفوق وبرتری کو قائم رکھنے کے لیے مختلف قسم کی سازشیں کیں، جو ہندوستانی اقوام کے لیے تباہ کن ثابت ہوئیں۔ کئی صدیوں سے اہل وطن قومی عصبیت کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ امن وسکون غارت ہو چکا ہے۔ قوم مسلم جو غیر منقسم ہندوستان میں قریباً ساڑھے گیارہ سو سال تک حکمرانی کرتی رہی، اس پر غیر ملکی ہونے کا الزام عائد ہوا۔ اسی طرح ڈراوڑ قوم جو موجودہ عہد میں ہندوستان کی سب سے قدیم باشندہ ہے، وہ ہند میں آریوں کی آمد کے بعد شودر کا لقب پاکر سماج میں سر اٹھانے کے قابل نہ رہی۔

آریہ قوم جو برہمن، کھتری اور ویش میں منقسم ہے، ہندوستان کو اپنے زیر نگیں رکھنا چاہتی ہے۔ اس کے لیے وہ طرح طرح کے ہتھکنڈے اپناتی رہتی ہے۔ مسلمانوں کو پاکستان بھیجنے کی بات بھی بار بار اٹھائی جاتی ہے، کیونکہ مسلمان غیر ملکی ہیں۔ برہمنوں کو سوچنا چاہئے کہ اگر مسلمان غیر ملکی ہیں تو آریہ قوم بھی غیر ملکی ہے۔ اگر ملک چھوڑنے کی بات ہے تو سب سے پہلے آریہ قوم ملک چھوڑ کر جائے، کیونکہ آریہ قوم پہلے آئی تھی۔ جو پہلے آیا، وہ پہلے جائے۔

آریہ تمام کے تمام غیر ملکی ہیں، جبکہ مسلمانوں میں وہ لوگ جن کے آباواجداد نے صوفیائے کرام کے ہاتھوں اسلام قبول کیا ہے، ان میں بہت سے ہندوستان کی اصل قوم یعنی شودر ودیگر ہندی اقوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ شودروں نے ہندودھرم کے ذات پات کے نظام اور عدم مساوات کو دیکھ کر اسلام قبول کیا تھا، بلکہ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اب مسلمانوں میں صرف وہی لوگ غیر ملکی ہوں گے، جن کے آباو اجداد ممالک غیر سے ہندوستان آئے تھے، مثلاً سادات کرام، شیوخ، قبیلہ بنوانصار وغیرہم۔ جب آریہ قوم ملک سے رخصت ہوگی تو ان شاء اللہ ملک ہند میں آریوں کی مدت اقامت کے برابر ہم بھی یہاں قیام کر کے رخصت ہونے کی کوشش کریں گے، بشرطیکہ قیامت نہ آجائے۔ جن کو خود ہی انڈیا چھوڑنا چاہئے، وہ ہمیں انڈیا چھوڑنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ع/ بریں عقل ودانش بباید گریست

ہندو قوانین کو انگریزی زبان میں منتقل کرنا

وارن ہیسٹنگز نے ججوں کی مدد کے لیے قاضیوں اور پنڈتوں کو مقرر کرنے کا قانون بنایا تھا۔ اس طریق کار کے سبب انگریزی ججوں کو

قاضیوں اور پنڈتوں پر انحصار کرنا پڑتا تھا، اس لیے برطانوی حکومت نے مسلم قوانین اور ہندو قوانین کو انگریزی زبان میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا، نیز بعض ججوں کو پنڈتوں کے بعض مشوروں پر کچھ شبہات بھی ہوئے، اس لیے مسلم و ہندو مذہب کے قوانین کو انگریزی زبان میں منتقل کرنا مزید ضروری ہو گیا۔

ایم پی جین نے لکھا۔ ''۱۷۸۱ء کے ایکٹ نے انگریزی زبان میں ہندو اور اسلامی قانون کی کتابوں کی تیاری کی ضرورت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اس ایکٹ نے ہدایت کی تھی کہ کلکتہ سپریم کورٹ کے سامنے آنے والے بعض نوعیت کے مقدمات میں ہندو اور اسلامی قوانین کا اطلاق کیا جائے۔ انگریز جج چاہتے تھے کہ شخصی قوانین کے اصولوں پر عبور حاصل کر لیں، تا کہ وہ ہندوستانی ماہرین عدالت پر، جن کی دیانت داری وایمانداری کو وہ مشتبہ نظر سے دیکھتے تھے، اپنے انحصار کو کم کر سکیں۔ چونکہ انگریز جج ان قوانین سے واقفیت نہیں رکھتے تھے، اس لیے انہیں اس بات کا احساس رہتا تھا کہ وہ مکمل طور پر پنڈتوں اور مولویوں کے ہاتھ میں تھے۔ اس انحصار سے بچنے کے لیے سب سے اچھا طریقہ یہ تھا کہ ان قوانین پر انگریزی زبان میں مستند کتابیں موجود ہوں۔

ہندو اور اسلامی قوانین کی تحقیق کی جانب سب سے پہلے اقدامات وارن ہیسٹنگز نے کیے۔ ہندوستان سے باہر لوگوں نے ایک غلط نظریہ یہ اپنا رکھا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا اپنا کوئی مستقل نظام قانون نہیں تھا اور اس کے جو بھی قوانین تھے، وہ توہم پرستی کا ایک مرکب ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھے۔ ہیسٹنگز کو فکر تھی کہ انگلستان میں لوگوں کے ذہنوں سے ان غلط فہمیوں کو دور کر دیا جائے۔ ہیسٹنگز نے منصوبہ بنایا کہ انگریزی زبان میں مستندترین ماخذوں کی بنیاد پر ہندو اور اسلامی قوانین کے مجموعات کی ترتیب کی جائے۔ اس کا خیال تھا کہ ایسے مجموعات کے وجود میں آنے سے لوگوں میں اعتماد پیدا ہوگا۔ ہندوستان میں انگریز ججوں کو ان دوقدیم نظام قانون سے واقفیت ہو جائے گی، جس کے نتیجے میں وہ مقدمات کا فیصلہ زیادہ اعتماد و مستعدی سے کر سکیں گے، مختلف عدالتوں کی رہنمائی ہوگی، اور فیصلوں میں جانب داری اور بے قاعدگی کو روکا جا سکے گا۔

ہندو قانون کا ایک مجموعہ تیار کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے گئے۔ بنگال کے قابل ترین پنڈتوں میں سے دس پنڈت کلکتہ بلائے گیے۔ قدیم اور جدید قانون پر مستندترین کتابیں جمع کی گئیں۔ پہلے سنسکرت زبان میں ایک مجموعہ ''ہندو کوڈ'' کے نام سے تیار کیا گیا۔ پنڈتوں نے مئی ۱۷۷۳ء میں اپنا کام شروع کیا اور فروری ۱۷۷۵ء کے آخر میں ختم کر دیا، تب اس تحریر کا ترجمہ فارسی میں کیا گیا، پھر فارسی زبان سے اس کا ترجمہ ''نتھنیل براسی ہیلہیڈ'' نے انگریزی میں کیا۔ اس لیے یہ مجموعہ ''ہیلہیڈ کا مجموعہ قوانین ہندو'' کہلایا۔ اس مجموعہ میں قانون اصلی اور قانون اضافی (دیوانی اور فوجداری) کو یکجا رکھا گیا ہے۔ اس میں 21 باب ہیں۔ زیادہ تر ابواب کو دفعات میں تقسیم کیا گیا ہے، اور مزید ہر دفعہ کو پیراگرافوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ پیراگراف اسی طرح کے ہیں، جس طرح جدید ہندوستانی مجموعات قوانین میں پائے جاتے ہیں''۔ (ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۲۹)

نتھنیل بریسی ہیلہیڈ {Nathaniel Brassey Halhed} (۱۷۵۱ء-۱۸۳۰ء) نے ہندو مجموعہ قوانین کا انگریزی ترجمہ ۲۷/ مارچ ۱۷۷۵ء کو مکمل کیا۔ ہندوستان پر قبضہ جمانے والی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۷۷۶ء میں اس کتاب کو لندن میں ''اے کوڈ آف ہندولا'' {A Code of Gentoo Laws} کے نام سے شائع کیا۔

مسلم قوانین کا انگریزی ترجمہ

پروفیسر ایم پی جین نے لکھا۔ ''انہیں محرکات نے جو ہندوؤں کے مجموعہ قوانین کی ترتیب کے پس پشت کارفرما تھے، وارن ہیسٹنگز کو

اسلامی قانون میں ایک متقابل مجموعہ کی ترتیب کے لیے آمادہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ اسلامی قانون کی بھی تحقیق وترتیب ہوجائے، تاکہ اس قانون سے متعلق مقدمات میں ججوں کی رہنمائی کے لیے مستند اصول موجود رہیں۔ اس مقصد کے لیے اسلامی قانون کی جن کتابوں کے مطالعے کی تجویز سامنے آئی تھی، وہ نہایت ضخیم تھیں اوران کی تحریر میں اختصار کا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔ ان کے بارے میں یہ طے کرنا مشکل تھا کہ کن کتابوں کو معیار بنایا جائے۔ (کیونکہ ان میں جو اصول درج تھے، وہ ایک دوسرے سے مختلف اور ایک دوسرے کی نفی کرتے تھے) وہ کتب اتنی ضخیم تھیں کہ عام حالات میں ان کا مطالعہ مشکل تھا۔ ان اصولوں کا ایک خلاصہ تیار کیا جاسکتا تھا، لیکن چونکہ اس خلاصے کی حیثیت محض ایک تالیف کی ہوتی، اس لیے ممکن تھا کہ مسلمان اسے ایک نیا مجموعہ سمجھ کر اس کو اتنا زیادہ مستند نہ سمجھتے، جتنا کہ وہ کسی نظر ثانی شدہ پرانے مجموعے کو سمجھتے۔ اسی زمانے میں ''فتاویٰ عالمگیری'' کے ترجمے کا کام شروع کیا گیا۔

فتاویٰ عالمگیری کو جو کہ فارسی زبان میں ہے، اورنگ زیب کے حکم سے تیار کیا گیا تھا، جلد ہی یہ محسوس کیا گیا کہ فتاویٰ عالمگیری میں محض مقدمات اور فیصلوں کو سادہ انداز میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا تھا، جن سے کہ اسلامی قانون کے اصولوں کے ارتقا میں بہت ہی کم مدد ملتی، چنانچہ ترجمے کا کام روک دیا گیا۔ تب کچھ مسلمان علما نے یہ رائے دی کہ کسی ایسی کتاب کا ترجمہ کیا جائے، جس کے ایک ہی صفحہ پر قول اور اصول دونوں درج ہوں، یعنی اس میں ہدایات کے ساتھ ساتھ مثالیں بھی دی گئی ہوں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ''ہدایہ'' کے ترجمے کی سفارش کی اور کہا کہ احکام شرعیہ کی یہ ایک مستند کتاب تھی اور اس میں سبھی مطلوبہ خوبیوں کو فاضلانہ انداز میں شامل کیا گیا تھا۔ پہلے ہدایہ کا ترجمہ عربی زبان سے چار نہایت عالم مولویوں نے فارسی زبان میں کیا، تب ہیملٹن نے فارسی ترجمے کا انگریزی میں ترجمہ کیا''۔

(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۲۹، ۱۰۳۰)

پرسنل لا کے تحفظ کے اقدامات

پروفیسر ایم پی جین نے لکھا: ''ہندو اور اسلامی قانون کے ان دونوں ترجموں کے کام کی ابتدا وارن ہیسٹنگز کی تحریک پر ہوئی۔ اسی کی براہ راست سرپرستی میں اس کام کی تکمیل ہوئی، اور اسی کی مسلسل حمایت کے سبب ان ترجموں کا وجود عمل میں آسکا۔ یہ دونوں تحریریں ان کوششوں کی نمائندگی کرتی ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے شخصی قوانین کی تحقیق کے لیے انگریزوں نے سب سے پہلے کی تھیں، اور یوں یہ تحریریں اس فیض رساں حمایت کی مسلمہ ثبوت ہیں جو وارن ہیسٹنگز نے اپنے عہدے کے پورے دور میں شخصی قوانین کے حق میں کی۔ وقت گذرنے پر ہیسٹنگز کی اس پالیسی کو کہ ہندوستان کے مروجہ دیسی قوانین کو برقرار رکھا جائے، زیادہ سے زیادہ پسند کیا جانے لگا۔ یہ تسلیم کیا جانے لگا کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے استقلال واستحکام کے لیے یہ بنیادی اہمیت کی بات تھی کہ حکومت کے لیے ہندوستانیوں کے نیک جذبات حاصل کیے جائیں اور اس مقصد کے حصول کے لیے اس سے زیادہ مؤثر اور کوئی بات نہیں ہوسکتی تھی کہ مذہبی رواداری سے کام لیا جائے، اور ایسے مروجہ قوانین کو اپنا لیا جائے، جو انگریزوں کے قوانین اور مفادات کے متضاد نہ ہوں''۔

(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۳۱)

ججوں نے بھی وارن ہیسٹنگز کے اس طریق کار کو سراہا۔ پروفیسر جین نے لکھا: ''ایسے ہی خیال کا اظہار کلکتہ سپریم کورٹ کے جج جونس نے کیا۔ اس کا قیام ہندوستان میں پانچ سال تک رہا، جس کے دوران اس نے ہندوستانی طور طریقوں اور قوانین کا مطالعہ کیا اور ان کی حفاظت کی پرزور وکالت کی۔ اس کے الفاظ میں:

''اس سے زیادہ اور کوئی بات معقول نہیں ہوسکتی کہ آپسی تنازعات کا تصفیہ ان قوانین کے مطابق کیا جائے، جنہیں ہمیشہ متعلقہ فریقین

نے زندگی کے طور طریقوں اور روزمرہ کے معاملات میں قابل اطلاق اصولوں کی حیثیت دی ہو، اور نہ ہی اس سے زیادہ کوئی دانشمندی کی بات ہوگی کہ ہندؤں اور مسلمانوں کو بذریعہ قانون اس بات کی ضمانت دی جائے کہ ان کے شخصی قوانین کی، جن کا وہ احترام کرتے ہیں اور جن کے خلاف کسی قسم کی دست درازی کو وہ انتہائی تکلیف دہ زیادتی سمجھیں گے، حفاظت کی جائے گی، اور ان کی جگہ کسی ایسے نئے نظام قانون کو ان پر مسلط نہ کیا جائے گا، جس سے وہ کوئی واقفیت نہ رکھتے ہوں اور جس کے بارے میں وہ یہ سمجھیں کہ اسے ان پر سختی اور عدم رواداری کے جذبے سے مسلط کیا گیا تھا''۔

ان احساسات کے نتیجہ میں ہندؤں اور مسلمانوں کے قوانین پر انگریزی زبان میں کتابیں تیار کرنے کا کام وارن ہیسٹنگز کے بعد آنے والے برسوں میں بھی جاری رہا''۔(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۳۲)

قاضیوں اور پنڈتوں کو الوداعیہ

پروفیسر ایم پی جین نے لکھا۔''وقت گذرنے پر شخصی قوانین میں بہت سی ایسی کتابوں کا وجود عمل میں آ گیا، جنہیں ممتاز انگریز عالموں نے تیار کیا تھا۔ انگریزوں کو عدالتی نظام قائم کیے ہوئے تقریباً سو سال گذر چکے تھے۔ اس عرصے میں عدالتی نظائر کی ایک بہت بڑی تعداد وجود میں آ گئی تھی۔ ان نظائر کے ذریعے ہندو اور اسلامی قانون کے بہت سے اصولوں کی حیثیت اب مقرر و متعین ہوگئی تھی۔ انگریز جج بھی اب ہندوستانیوں کی زبان اور ان کے عادات و رواج سے کسی قدر رواقف ہو گئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اب عدالتوں کے ہندوستانی ماہرین قانون کے بغیر بھی ہندؤں اور مسلمانوں کے قوانین کا استعمال و اطلاق کرنے کے اہل ہو گئے تھے، اور اس بارے میں وہ اپنے آپ میں خود اعتمادی محسوس کرتے تھے۔ اس سب کے نتیجے میں حکومت ۱۸۶۴ء میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اب ہندو اور مسلمان ماہرین قانون کی عدالتوں میں موجودگی ضروری نہیں رہ گئی تھی، چنانچہ ایکٹ نمبر ۱۱/ مجریہ: ۱۸۶۴ء نے ہندوستانی ماہرین قانون کی عدالتوں میں مدد لینے کے طریقوں کو ختم کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو اور اسلامی قانون کے اصولوں کی تحقیق کی ذمہ داری خود ججوں پر پڑ گئی''۔

(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۲۷)

پرسنل لا میں مداخلت نہ کرنے کی پالیسی

ہندو قوانین انسانوں کے خودساختہ قوانین تھے، اس لیے وہ فطرت انسانیہ سے متصادم اور اقوام ہند کے مزاج وطبعیت کے خلاف تھے۔ برطانوی عہد میں ہندو دھرم کے بہت سے رسوم و رواج اور انسانیت سوز قوانین میں تبدیلی کی گئی۔ یہ تبدیلیاں اس وقت عمل میں آئیں، جب خود تعلیم یافتہ ہنود نے اس کی تائید کی۔ ایم پی جین کی کتاب کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

(۱)''انگریزی پالیسی کی یہ تسلیم شدہ بنیاد بن گئی کہ شخصی قوانین کے نظام میں مداخلت نہ کی جائے۔ انہیں اسی طرح رہنے دیا جائے اور ان میں اسی حد تک تبدیلی کی جائے، جس حد تک کہ ہندؤں اور مسلمانوں کی طرف سے تبدیلی کی مانگ ہو، اور یہ مانگ ایسی ہو جس کے پس پشت ایک زبردست رائے عامہ ہو۔ دوسرے لا کمیشن نے اس پالیسی کی کھلے طور پر تائید کی اور اسی پالیسی کا اعادہ چوتھے لا کمیشن نے بھی کیا''۔

(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۵۹)

(۲)''برطانوی عہد حکومت میں لوگوں کی ناراضگی مول لینے کے ڈر نے قانون ساز ادارے کو شخصی قوانین میں تبدیلیاں لانے سے باز رکھا، لیکن پھر بھی ہندؤں اور مسلمانوں کے شخصی قوانین میں اصلاحی اور رفاہی قوانین پاس کر کے آخری تقریباً سو برسوں میں بعض تبدیلیاں لانی ہی پڑیں۔ البتہ یہ بات یہاں قابل ذکر ہے کہ اس بارے میں قانون ساز ادارے کی پیش قدمی اس طاقتور اور کثیر التعداد رائے عامہ کے

جواب میں ہوئی، جو ان تبدیلیوں کی محرک تھی، اور وہ پیش قدمی صرف اسی وقت ہوئی، جب متعلقہ فرقے نے اصلاحات کی خود مانگ کی''۔
(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص۱۰۵۴-قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی)

برطانوی عہد میں ہندو قوانین کی اصلاح

برطانوی عہد میں تعلیم یافتہ اور جدید خیال ہندوؤں کی تحریک پر متعدد ہندو قوانین کی اصلاح کی گئی، بلکہ برطانوی حکومت کے عہد اخیر میں ایک ''ہندو لا کمیٹی'' بھی تشکیل دی گئی۔ چند اصلاحات مندرجہ ذیل ہیں۔

پروفیسر جین نے لکھا۔(ا)''برطانوی عہد حکومت میں جو تبدیلیاں ہندو قانون کے میدان میں کی گئیں، ان کا ایک عام جائزہ لیا جائے تو اولین مقام ان قوانین کو دیا جا سکتا ہے، جنہوں نے ہندو عورتوں کی سماجی حالت اور قانونی حیثیت میں اصلاح لانے کی کوشش کی۔ بعض دھرم شاستروں کے مصنفین کا غیر موافق رویہ اور ساتھ میں وہ بگڑے ہوئے رسم و رواج جو بیرونی تسلط خاص طور پر مسلمانوں کی حکومت کے زیر اثر وقت گذرنے پر ہندو سماج میں پیدا ہو گئے تھے، ہندو عورتوں کی سماجی حیثیت کو کسی قدر کمزور اور غیر منصفانہ بنانے کے ذمہ دار تھے۔ ہندو عورتوں کی حیثیت قانون کی نظر میں کمتر درجہ کی ہو گئی۔ اس حالت میں اصلاح لانے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ قانون ساز ادارے نے متعدد قوانین وضع کیے، جن کا مقصد ہندو سوسائٹی میں عورتوں کی حالت کو سدھارنا تھا۔ اس سلسلے کا سب سے اہم قانون ہندو وڈو زری میرج ایکٹ (ہندو بیواؤں کی دوبارہ شادی کا قانون) تھا، جسے ۱۸۵۶ء میں وضع کیا گیا۔ اس ایکٹ نے ہندو بیواؤں کی دوبارہ شادی کو جائز قرار دیا۔ یہ قانون اجازتی نوعیت کا تھا اور ہندوؤں کے اصلاح پسند طبقے کی تحریک پر وضع کیا گیا تھا۔

اس سلسلے کا دوسرا قانون ''ہندو ویمنس رائٹ ٹو پراپرٹی ایکٹ'' (ہندو عورتوں کے حقوق جائیداد کا قانون) تھا، جسے ۱۹۳۷ء میں وضع کیا گیا۔ اس قانون نے ہندو عورتوں کو جائیداد کے بارے میں اس سے زیادہ بہتر حقوق دیئے، جو انہیں پہلے حاصل تھے۔ یہ نہایت ہی اہم قانون تھا اور اس نے خاندان مشترکہ، جائیداد یک جدی شرکا، بٹوارہ اور ترکہ سے متعلق ہندو قانون میں انقلابی تبدیلیاں کیں۔

اس سلسلے کا آخری قانون ''ہندو ویمنس رائٹ ٹو سیپریٹ ریزیڈنس اینڈ مینٹیننس ایکٹ'' (ہندو عورتوں کے علاحدہ رہائش اور پرورش نان ونفقہ کے حق کا قانون) تھا، جسے ۱۹۴۶ء میں وضع کیا گیا۔ اس قانون نے شادی شدہ ہندو عورتوں کو اس بات کا حق دیا کہ وہ ازدواج کے رشتے کو توڑے بغیر بعض مخصوص حالات میں، جن کی صراحت اس قانون میں کر دی گئی تھی، اپنے شوہر سے علاحدہ رہائش اور پرورش نان ونفقہ طلب کر سکتی تھیں۔

ہندوؤں میں بعض ایسے قابل اعتراض سماجی طریقے اپنا لیے گیے تھے، جنہیں قانون و رواج کی تائید حاصل ہو گئی تھی۔ ان طریقوں کو روکنے کے لیے چند قوانین وضع کیے گئے۔ اس جانب جو سب سے پہلا قدم اٹھایا گیا، وہ ستی کی غیر انسانی رسم کو غیر قانونی قرار دینا تھا۔ یہ اقدام لارڈ ولیم بینٹنک نے کافی پہلے اٹھایا تھا۔ ایک بہت نمایاں برائی جو سماج کے مرکز حیات ہی کو تباہ کر رہی تھی، بچوں کی شادی کی رسم تھی۔ اس رسم کی حوصلہ شکنی کے لیے ''چائلڈ میرج ایکٹ'' (بچوں کی شادی کا قانون) ۱۹۲۹ء میں وضع کیا گیا۔

چند قوانین مشترکہ خاندان کے نظام کے سخت اصولوں میں نرمی لانے کے لیے اور قانون وراثت میں تبدیلیاں کرنے کی غرض سے وضع کیے گئے۔ ''ہندو گنیس آف ارننگ ایکٹ'' (علم کے ذریعے حصول زر کے بارے میں ہندوؤں کا قانون) مجریہ ۱۹۳۰ء میں تحریر کیا گیا کہ وہ تمام آمدنی جو علم کے ذریعے حاصل کی گئی ہو، چاہے وہ علم عام نوعیت کا ہو، یا کوئی مخصوص علم ہو، اور چاہے وہ علم خاندان مشترکہ کے اخراجات سے حاصل کیا گیا ہو، یا خاندان کے کسی فرد کے خرچ سے حاصل کیا گیا ہو، اس شخص کی خود حاصل شدہ اور غیر مشروط ملکیت ہو جائے

گی، جس نے وہ علم حاصل کیا ہو‘‘۔(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۵۴، ۱۰۵۵)

(۲)’’۱۸۲۹ء میں ضابطہ ۱۷/ کے ذریعے ستی کی رسم کو ختم کرکے ہندوؤں کے ذریعے ایک عظیم سماجی اصلاح لائی گئی۔ستی یا ہندو بیوہ کے آگ میں زندہ جل جانے کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔اور اس کے لیے وہی سزا مقرر کی گئی، جو قتل بالعمد کے لیے تھی۔وہ لوگ بھی سزا کے مستوجب قرار دیئے گئے جو ستی کے جرم کے ارتکاب میں کسی قسم کی اعانت کریں۔یہ اعلان کیا گیا کہ ایسے لوگوں کو جرمانے یا قید یا بیک وقت دونوں سزائیں دی جا سکیں گی‘‘۔(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۷۴۷)

(۳)’’تعلیم یافتہ ہندوؤں کے درمیان ایسے جذبات کے اظہار سے حکومت ہند کے لیے یہ ضروری ہوگیا کہ وہ ہندو قانون کی ترتیب وتدوین کی جانب اقدامات کرے۔نتیجے کے طور پر حکومت نے ایک ہندو لا کمیٹی (کمیٹی برائے ہندو قانون) مقرر کی، تاکہ وہ ہندو قوانین کے مجموعے کا مسودہ تیار کرے۔کمیٹی نے ۲۱/فروری ۱۹۴۷ء کو اپنی رپورٹ پیش کی، جس میں اس نے ہندو قانون کی ترتیب وتدوین کی سفارش کی اور مجموعے کا ایک مسودہ پیش کیا‘‘۔(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۶۱)

(۴)’’ہندو لا کمیٹی نے ’’ہندو کوڈ‘‘ کا مسودہ تیار کیا۔اسے تیار کرتے وقت کمیٹی نے وکلا، وکلا کی جماعت، دیگر جماعتوں اور مختلف افراد کے بیانات قلمبند کیے۔کوڈ (ضابطہ) کا مسودہ ایک بل کی شکل میں اس وقت کے ممبر قانون کے ذریعہ لیجسلیٹیو اسمبلی میں ۱۹۴۷ء میں پیش کیا گیا۔بعد میں اس بل کو ایک سیلکٹ کمیٹی کے حوالے کردیا گیا، جس نے ۱۹۴۸ء میں اپنی رپورٹ پیش کی۔تب لیجسلیٹیو اسمبلی نے پھر سیلکٹ کمیٹی کی رپورٹ پر غور کیا۔اس سارے عرصے میں یعنی ہندو کوڈ کا مسودہ تیار کرنے کے لیے کمیٹی کا تقرر کرنے سے لے کر اسمبلی کے ذریعے سیلکٹ کمیٹی کی رپورٹ پر غور کرنے تک ہندو سماج کے کٹر طبقے کی طرف سے کوڈ وضع کیے جانے کی مخالفت ہوتی رہی۔نتیجہ یہ ہوا کہ اسمبلی نے کوڈ کے وضع کیے جانے کی جانب آگے قدم نہیں بڑھایا۔بجائے اس کے کوڈ کو توڑ کر الگ الگ ایکٹوں میں تقسیم کردیا گیا اور تب اسمبلی نے ان کے وضع کیے جانے کی جانب قدم بڑھایا۔ان ایکٹوں کا تعلق الگ الگ امور سے تھا۔غرض کہ اس عمل کے نتیجے میں ہندو میرج ایکٹ (ہندوؤں کی شادی کا قانون) ۱۹۵۵ء میں وضع کیا گیا۔اس کے بعد ۱۹۵۶ء میں ہندو سکیشن ایکٹ (ہندو قانون وراثت)، ۱۹۵۶ء میں ہندو مائینا ریٹی اینڈ گارڈین شپ ایکٹ (ہندوؤں کا وراثت اور نابالغی سے متعلق قانون) اور ۱۹۵۶ء میں ہی ’’ہندو اڈاپشنس اینڈ مینٹینینس ایکٹ‘‘ (تبنیت اور پرورش، نان ونفقہ کا ہندوؤں کا قانون) وضع کیا گیا‘‘۔(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۶۳)

ہندو کوڈ بل (Hindu Code Bills 1955,56)

مذہب اسلام کے اصول وضوابط کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے اور شریعت اسلامیہ خداوندی قانون کا نام ہے جو آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو دستیاب ہوئی، لیکن ہندو قوم کے اصول وقوانین کی بنیاد ان کی تہذیب وثقافت اور رسم ورواج پر ہے۔اس لیے ’’ہندو پرسنل لا‘‘ (Hindu Personal Law) میں اصلاح کی خاطر متعدد قوانین برطانوی عہد میں پاس ہوئے، پھر سابق وزیر اعظم ہند آنجہانی جواہر لعل نہرو (۱۸۸۹ء-۱۹۶۴ء) کے عہد حکومت میں سال ۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۶ء میں درج ذیل چار ایکٹ پارلیامنٹ سے پاس ہوئے۔ان چاروں ایکٹ کا مجموعہ ’’ہندو کوڈ بل‘‘ کہلاتا ہے۔

1-Hindu Marriage Act, 1955 **2**-Hindu Succession Act, 1956 **3**-Hindu Minority and Guardianship Act, 1956 **4**-Hindu Adoptions and Maintenance Act, 1956

ہندو دھرم کی قانونی کتاب ’’منوسمرتی‘‘ میں طلاق کی اجازت موجود ہے، لیکن ہندو سماج میں طلاق کا کوئی تصور نہیں تھا، جس کے سبب

میاں بیوی میں سے جو جدائی حاصل کرنا چاہے، وہ خودکشی پر مجبور ہوتا۔ کبھی شوہر دوسری شادی کر لیتا اور بیوی کو بے سہارا چھوڑ دیتا، کبھی بیوی خود الگ زندگی گذارتی، کبھی شوہر بیوی کو چھوڑ کر الگ زندگی گذارتا۔ اس لیے ہندو میریج ایکٹ میں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو ایکٹ میں متعدد وجوہات کی بنا پر کورٹ کے ذریعہ طلاق حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ہندو دھرم میں اصلاح کے لیے بہت سے قوانین برطانوی عہد میں بنائے گئے۔ ستی کی رسم کی روک تھام، چھوت چھات کی ممانعت، مال وراثت میں عورتوں کی حصہ داری، بیوہ عورتوں کی شادی کی اجازت، نابالغوں کی شادی پر پابندی، وغیرہ۔ قسط ماقبل میں ''پرسنل لا ایکٹس'' کی فہرست رقم کی گئی ہے۔

برطانوی عہد اور اسلامی قوانین

اسلامی قوانین خداوند قدوس کے بنائے ہوئے قوانین ہیں۔ وہ دستور بجائے خود اس قدر کامل واکمل اور مکمل ہیں کہ اس میں کہیں حرف گیری کی گنجائش نہیں۔ ہاں، کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ تشریح کنندہ کی جانب سے اسلامی شریعت کی وضاحت میں کچھ نقص رہ جائے، یا سامع کی عقل وفہم کا کچھ قصور ہو۔ کبھی ضد اور ہٹ دھرمی کے سبب بھی عیب جوئی کی جاتی ہے، جیسے آج کل ملک ہند میں ''طلاق ثلاثہ'' پر طوفان کھڑا کیا گیا ہے۔ برطانوی عہد میں بھی ''مسلم قوانین'' میں کچھ تبدیلی نہ کی گئی، بلکہ کورٹ کے خلاف شریعت فیصلوں کے روکنے کے لیے درج ذیل قوانین ترتیب دیئے گئے۔

1-Mussalman Waqf Validitating Act,1913

2-Muslim Personal Law {Shariat} Application Act,1937

3-Dissolution of Muslim Marriages Act,1939

پروفیسر ایم پی جین نے لکھا۔ ''انگریز حکمرانوں نے ہندو قانون میں عدم مداخلت کا جو رویہ اپنایا تھا، وہ اسلامی قانون کے معاملے میں اور بھی زیادہ مضبوط نظر آتا ہے۔ مجموعی اعتبار سے ہندو قانون میں جو تبدیلیاں ہوئیں، وہ اسلامی قانون میں کی گئی تبدیلیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھیں۔ ہندو قانون کے مقابلے اس اسلامی قانون میں چند ہی تبدیلیاں ہوئیں، جو ہندوستان میں نافذ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض قوانین اس غرض سے وضع کیے گئے تھے کہ عدالتی فیصلوں کو بے اثر بنا دیا جائے، اور اسلامی قانون کے کٹر نظریات کو بحال کر دیا جائے۔ اسے کسی قدر مسلمانوں کے درمیان ایک روشن خیال رائے عامہ کے فقدان کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی قانون میں پہلی تبدیلی ۱۹۱۳ء میں اس وقت ہوئی، جب مجلس قانون ساز نے وقف ایکٹ وضع کیا۔ یہ ابوالفتح محمد اسحاق بنام روسوموئی دھر چودھری کے مشہور مقدمے میں دیئے گئے پریوی کونسل کے فیصلے کو بے اثر بنانے کے لیے ایک کوشش تھی۔ اس مقدمے میں پریوی کونسل نے قرار دیا تھا کہ ایسے اوقاف باطل تھے، جو خاندان میں ''توسیع'' کے لیے قائم کیے گئے تھے، یا جن کی بنیاد ایسی خیرات یا ہبہ تھی، جو محض خیالی معلوم ہوتی ہو، یا جو برائے نام تھے۔ مسلمانوں نے اس عدالتی فیصلے کو شریعت کے صحیح مفہوم کے غیر مطابق سمجھا، چنانچہ وقف ایکٹ مجریہ ۱۹۱۳ء نے وقف کے قانون کو اسلامی قانون شریعت کے مطابق بنانے اور اپنے خاندان کے حق میں جائز اوقاف کرنے کے مسلمانوں کے حق کو بحال کرنے کی کوشش کی۔

خوجوں، بہروں اور میمنوں نے ہندو مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا، اگرچہ انہوں نے ہندو مذہب ترک کر دیا تھا، لیکن انہوں نے ہندو قانون کو پورے طور پر ترک نہیں کیا اور جانشینی اور وراثت کے معاملات میں عدالتیں ان پر ہندو قانون کا رواجی قانون کی حیثیت میں اطلاق کرتی رہیں۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں کی رائے اس صورت کے خلاف تھی، چنانچہ ۱۹۳۷ء میں ''شریعت ایکٹ'' وضع کیا گیا، جس

نے ان رواجوں کو باطل قرار دے کر ان قوموں کو اسلامی قانون کے تابع بنا دیا۔ ایکٹ کی دفعہ ۲/ نے رواجی اصولوں کو باطل کر دیا۔ اب زراعتی، اراضی کے سوا سبھی معاملات میں مسلمانوں پر قابل اطلاق قانون شخصی قانون (شریعت) تھا۔

ایک دوسرا قانون ۱۹۳۹ء میں ''مسلم فسخ ازدواج'' کے نام سے وضع کیا گیا۔ اس ایکٹ نے مسلمان شادی شدہ عورتوں کو حق دیا کہ وہ اپنے شوہروں سے بذریعہ عدالت علاحدگی حاصل کر سکتی تھیں۔ عورتوں کو یہ حق دینے سے پہلے انکار کیا گیا تھا اور اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ عدالتیں عام طور پر اسلامی قانون کے حنفی مسلک کے مطابق فیصلے کرتی تھیں۔

یہی وہ چند تبدیلیاں ہیں جو ایک طویل مدت کے دوران اسلامی قانون میں متعارف کی گئیں۔ ان میں سے بھی بعض قوانین ایسے تھے، جن کا نتیجہ قانون میں سختی لانے اور بعض عدالتی فیصلوں میں ظاہر کیے گئے آزاد رجحانات کو ختم کرنے کی شکل میں نکلا''۔

(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۵۷، ۱۰۵۸)

لیکس لوسی رپورٹ: ۱۸۴۰ء

لیکس لوسی کمیشن (LEX LOCI Commission) برطانوی ہند (Biritish India) کا فرسٹ لا کمیشن (Law Commission) تھا۔ ایم پی جین نے لکھا۔

''چارٹر ایکٹ: ۱۸۳۳ء کی دفعہ ۵۳/ کے تحت ہندوستان میں ایک لا کمیشن کے قیام کا اہتمام کیا جانا ایک اہم پیش قدمی تھی۔ اس کے قیام کا مقصد ایک وسیع پیمانے پر ترتیب وتدوین اور تبدیلیوں کے عمل کے ذریعے ایک سادہ اور سبھی پر یکساں طور پر قابل اطلاق نظام قانون کی تشکیل کرنا، نئی قائم شدہ لیجسلیٹو کونسل کو قانون سے متعلق معاملات میں صلاح ومشورہ دینا اور منتشر، غیر مربوط اور متضاد ضابطوں کو مجموعات کی شکل میں یکجا و مربوط کرنا تھا۔ دفعہ ۵۳/ میں کہا گیا کہ:

''ایسے مخصوص انتظامات کو چھوڑ کر جو مقامی حالات کے مدنظر کیے جائیں، پولیس اور عدالتی امور کے ایسے عام ادارے قائم کیے جائیں جو برطانوی ہند کے تمام اشخاص اور ہر طبقے کے باشندے کے لیے موزوں ہو''۔

اور یہ کہ:

''لوگوں کے حقوق وجذبات اور مخصوص طور طریقوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسے قوانین وضع کیے جائیں جو ہر طبقے کے لوگوں پر یکساں طور پر قابل اطلاق ہوں''۔ (ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۹۰۴، ۹۰۵-قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی)

چارٹر ایکٹ: ۱۸۳۳ء کی ہدایت کے مطابق حکومت ہند نے ۱۸۳۵ء میں فرسٹ لا کمیشن تشکیل دی۔ مسٹر میکالے کو اس کا چیئرمین {Macaulay} بنایا گیا۔ یہ کمیشن ۱۸۴۳ء تک کام کرتا رہا، اور متعدد رپورٹیں حکومت کو پیش کی۔ ایم پی جین نے لکھا۔ ''چارٹر ایکٹ: ۱۸۳۳ء کی خواہش کے مطابق حکومت ہند نے ۱۹۳۵ء میں پہلا لا کمیشن مقرر کیا''۔ (ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۹۰۷)

۳۱/ اکتوبر ۱۸۴۰ء کو لا کمیشن نے لیکس لوسی رپورٹ (LEX LOCI Report) پیش کی۔ اس رپورٹ میں کمیشن نے پبلک قوانین میں یکسانیت (Uniformity in public code) کی تجویز پیش کی، لیکن اس کمیشن نے سفارش کی تھی کہ ہندوستانی اقوام کے ''پرسنل لا'' کو یکساں قانون سازی (Uniform Codification) کے دائرہ میں ہرگز نہ لایا جائے، جبکہ عہد حاضر میں ''پرسنل لا'' کو ہی یکساں کوڈ کے دائرہ میں لانے کی زبردست کوشش ہو رہی ہے۔ لوسی کمیشن نے کہا تھا کہ جرائم (Crimes) شہادات (Evidences) اور معاہدات (Contracts) سے متعلق قانون سازی (Codification) میں یکسانیت

(Uniformity) ضروری ہے، لیکن مذہبی امور میں دخل اندازی نہ کی جائے۔ لیکس لوسی کمیشن سے متعلق تفصیل درج ذیل ہے۔

"The Lex Loci Report of October 1840 emphasised the importance and necessity of uniformity in codification of Indian law, relating to crimes, evidences and contract but it recommended that personal laws of Hindus and Muslims should be kept outside such codification. According to their understanding of religious division in India, the British separated this sphere which would be governed by religious scriptures and customs of the various communities (Hindus, Muslims, Christians and later Parsis).

These laws were applied by the local courts or panchayats when dealing with regular cases involving civil disputes between people of the same religion; the State would only intervene in exceplation cases. Thus, the British let the Indian public have the benefit of self-government in their own domestic matters with the Queen,s 1859 Proclamation promising absolute non-interference in religious matters. The personal laws involved inheritance, succession, marriage and religious ceremonies. The public sphere was governed by the British and Anglo-Indian law in terms of crimes, land relations, laws of contract and evidence_all this applied equally to every citizen irrespective of religion."

{Uniform civil code-wikipedia}

لیکس لوسی کمیشن نے ''پرسنل لا'' میں یکسانیت کی بات نہ کہی تھی، بلکہ ہندوستانی اقوام و مذاہب کے ''پرسنل لا'' کو مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا، جیسا کہ مرقومہ بالا اقتباس اس کی شہادت کے لیے کافی اور صریح ہے۔ لیکس لوسی رپورٹ میں قانون جرائم، قانون شہادت اور قانون معاہدات میں یکسانیت کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ جرائم کے لیے یکساں قانون سال ۱۸۶۰ء میں ترتیب دیا گیا اور یہ قانون اسلامی قانون جرائم کی جگہ نافذ کیا گیا۔ اسے ''انڈین پینل کوڈ: ۱۸۶۰ء'' کہا جاتا ہے۔ سال ۱۸۷۲ء میں قانون شہادت اور قانون معاہدات وضع کیا گیا۔ قانون شہادت کو انڈین ایویڈینس ایکٹ: ۱۸۷۲ء'' اور قانون معاہدات کو ''انڈین کانٹریکٹ ایکٹ: ۱۸۷۲ء'' کہا جاتا ہے۔ درج ذیل قوانین بنائے گئے۔

1-Indian Penal Code,1860

2-The Indian Evidence Act,1872

3-The Indian Contract Act, 1872

یونیفارم سول کوڈ کا مقصد کیا تھا؟

حکومتی سطح پر ''یونیفارم سول کوڈ'' کی تجویز آزادی ہند کے بعد منظر عام پر آئی۔ جب آزادی ہند کے بعد ملک کا دستور ترتیب دیا جانے لگا، تب ڈرافٹنگ کمیٹی کے چیرمین ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر (۱۸۹۱ء-۱۹۵۶ء) نے ''یکساں سول کوڈ'' کا نظریہ دستور کے مسودہ میں پیش کیا۔ جنہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کو ''برہمن واد'' {Brahmanism} سے نفرت کی حد تک ناپسندیدگی تھی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے یکساں سول کوڈ کے ذریعہ ملکی معاشرت اور تہذیب وثقافت میں حکومتی سطح پر ایک توازن قائم کرنے کی کوشش کی تھی، تاکہ ہندو دھرم میں ذات پات کے نظام {Caste System} کے سبب جو عدم مساوات اور نابرابری ہے، اس اونچ نیچ کو دور کیا جائے۔

ڈاکٹر امبیڈکر کا یہ نظریہ نہیں تھا کہ قوم مسلم کو ان کے مذہبی امور سے دور کر دیا جائے، بلکہ ان کی مخالفت برہمن واد سے تھی، اسی لیے اس نے شودروں کے لیے جداگانہ الیکشن کا بھی مطالبہ کیا تھا۔ اسی مطالبہ کے سبب دلتوں کے لیے ریزرویشن یعنی حکومتی محکمہ جات میں سیٹیں محفوظ ومختص کی گئیں۔ امبیڈکر کا تعلق مہاراشٹر کی ہندو دلت (Dalit) قوم سے تھا، جو مہر (Mahar) کہلاتی ہے۔ ہندو مذہب میں چھوت چھات (Untouchability) کے رواج کے سبب امبیڈکر نے 14 / اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ناگپور (مہاراشٹر) میں ہندو مذہب کو ترک کر کے بدھ مذہب کو قبول کر لیا۔ امبیڈکر کو دیکھ کر اس کے دلت عقیدت مندوں {Followers} میں سے قریباً پانچ لاکھ لوگوں نے بدھ دھرم کو قبول کر لیا۔

چھوت چھات کے خلاف امبیڈکر کی تحریک سال ۱۹۲۰ء سے ۱۹۵۶ء تک جاری رہی، لیکن خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی۔ گاندھی جی نے سال ۱۹۳۲ء میں دلت قوم کو ہریجن (Harijan) کا لقب دیا۔ امبیڈکر نے اس لقب کو پسند نہ کیا، اور دستور ہند میں دلت قوم کو درج فہرست ذات {Scheduled Caste} لکھا، پھر سرکاری کاغذات میں بھی یہی لکھا جانے لگا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے ہندو مذہب میں چھوت چھات کے عقیدہ کی مضبوطی اور اس غیر منصفانہ نظام کو دیکھتے ہوئے ۱۳/ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو اپنے متعلق ایولا، ناسک (مہاراشٹر) کی ایولا کانفرنس {Yeola Conference} میں کہا کہ وہ ہندو مذہب پر نہیں مرے گا۔ ایک مرتبہ امبیڈکر نے تمام دلتوں کو ہندو مذہب سے نکالنے کا پروگرام بنایا، لیکن گاندھی جی کی فہمائش پر یہ کام نہ ہو سکا۔ امبیڈکر کی پیروی کرتے ہوئے آج بھی بہت سے دلت ہندو دھرم چھوڑ رہے ہیں۔

جب یونیفارم سول کوڈ ایکٹ (موجودہ دفعہ ۴۴) دستور ساز اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا، اس وقت بھی ارکان اسمبلی نے اس کی سخت مخالفت کی تھی، لیکن اس وقت ڈاکٹر امبیڈکر نے جواب دیا تھا کہ یونیفارم سول کوڈ اختیاری ہوگا، لازمی نہیں ہوگا۔ آج لازمی طور پر ''یونیفارم سول کوڈ'' کے نفاذ کی بات ہو رہی ہے۔ عہد حاضر میں اس دفعہ کے نفاذ کا مقصد یہ ہے کہ قوم مسلم کو اس کے مذہبی قوانین اور تہذیب وثقافت سے دور کر دیا جائے، تاکہ مسلمان اگر ہندو نہ بن سکیں تو کم از کم تہذیب وثقافت کے اعتبار سے ہندو ہو جائیں۔ یہی ''ہندوتوا'' ہے، جو دراصل آر ایس ایس اور اس کی شہزادی ''بی جے پی'' کا ایجنڈا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یونیفارم سول کوڈ کی بحث قسط مابعد میں مرقوم ہوگی۔

دراصل آج یکساں سول کوڈ کے نام پر ہندو قوانین (Hindu Code Bills 1955,56) کو تمام اہل وطن پر مسلط کرنا مقصود ہے، تاکہ ملک میں ہندوتوا (Hindutva) کو فروغ ملے اور تمام اہل بھارت، ہندوانہ رسم ورواج کے پیروکار بن جائیں، یعنی اگر تمام اہل ہند، ہندو مذہب قبول نہیں کر رہے ہیں تو کم از کم ہندوانہ رسم ورواج تو اختیار کر لیں، بلکہ ہندو مذہب میں رسم ورواج کے علاوہ کچھ بھی نہیں، انہی رسوم ومروجات کو مذہبی قانون کی شکل دیدی گئی ہے۔ اب قوم ہنود ان ہندو قوانین کو ملکی قوانین قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں کو اپنے مذہبی قوانین ترک کر کے ان قوانین پر عمل پیرا ہونے کا مشورہ دیتے ہیں۔

قوم ہنود کیوں اپنے قوانین کو چھوڑ کر مسلم قوانین پر عمل نہیں کرتی؟ پہلے یہ سوال حل ہو جائے تو بات آگے بڑھے۔ گائے کا گوشت قوم ہنود کے لیے جائز نہیں تو غیر ہنود کو اس قانون پر عمل کروانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور کیوں لگایا جاتا ہے؟ پھر اس میدان میں قوم ہنود میں سے قوم پرست لوگ (Nationalists) ہی کیوں میدان میں آتے ہیں مثلاً آر ایس ایس (RSS) بی جے پی (BJP) اور ان کے حامی گروپ۔ سیکولر ہندو کیوں ان امور میں ملوث نہیں ہوتے۔ مذہب پرست ہنود، مسلمانوں کو مذہبی امور سے کیوں دور کرنا چاہتے ہیں؟

ہندو دھرم میں سب سے اہم ذات پات کا نظام ہے۔ ملک میں جمہوریت (Democracy) اور سیکولرزم کے نفاذ نے قوم ہنود کا خود ساختہ ذات پات کا نظام تہس نہس کر دیا ہے، جس کے سبب برہمنوں کو قانونی طور پر اپنا تفوق و برتری ظاہر کرنے کی صورت نظر نہیں آتی۔ ملک کو ہندو راشٹر بنانے کے پس منظر میں بھی دراصل یہی جذبہ کارفرما ہے، ورنہ اس سیکولر ملک میں ہر قوم کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل کی کھلی اجازت ہے۔ مسلم، بدھشٹ، جینی، سکھ، عیسائی اور کسی بھی اہل مذہب نے ہندوستان کو اپنا مذہبی ملک یعنی مسلم مملکت، بدھ راشٹر، جینی راشٹر، سکھ راشٹر، کرسچین اسٹیٹ بنانے کی خواہش ظاہر نہ کی، کیونکہ ان مذاہب میں نہ تو ذات پات کا نظام ہے، نہ ہی جمہوریت و سیکولرزم سے انہیں کچھ نقصان ہے۔ عہد حاضر میں مسلمانوں کے عائلی امور میں ہندوستانی عدلیہ، مذہب اسلام کے خلاف کوئی فیصلہ دیتی ہے تو اسے سیکولر فیصلہ (Secular Judgment) کہہ کر میڈیا میں خوب سراہا جاتا ہے اور اسلامی قوانین کے حامیوں پر سخت تنقیدیں کی جاتی ہے۔ بعض نادان مسلمان بھی مخالفین کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ دراصل اس طرح کے ہتھکنڈے اپنا کر مسلمانوں کو شریعت اسلامیہ سے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، بلکہ نوبت بایں جا رسید کہ لالچ دے کر مسلمانوں کو ہندو بنا دیا جاتا ہے اور اسے ''گھر واپسی'' کا نام دیا جاتا ہے۔

ہندوستان میں ذات پات کا نظام

مؤرخ تاراچند نے لکھا ''مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق ہندوستان کے ہر لسانی علاقہ میں قریب ۲۰۰/ ذاتیں اور ان ذاتوں کے اندر دو ہزار ذاتیں ہیں اور پورے ہندوستان میں تین سو سے زیادہ اصل ذاتیں ہیں اور ان کے اندر پانچ ہزار چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں''۔

(تاریخ تحریک آزادی ہند جلد اول ص ۱۲۸)

یونیفارم سول کوڈ کا نفاذ ناممکن

طلاق بدعت (طلاق بدعت) سے متعلق ۲۲/ اگست ۲۰۱۷ء کو سپریم کورٹ کا فیصلہ آیا، مخالفین بہت خوش ہوئے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ثم ان شاء الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیصلہ کی وہ دستاویز قوم مسلم کے لیے فائدہ بخش ثابت ہوگی، خاص کر شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء سے متعلق چیف جسٹس آف انڈیا جسٹس کھیہر، جسٹس عبدالنذیر اور جسٹس کورین جوزف کی تحریریں۔ قانونی طور پر ابھی سپریم کورٹ میں طلاق ثلاثہ پر کیس جاری رہنا چاہئے۔ یکساں سول کوڈ کے حامیوں کو سوچنا چاہئے کہ جس ملک میں اتنے قبائل اور ذیلی ذاتیں ہوں، اور سبھوں کے رسوم و عادات جداگانہ ہوں تو اس ملک میں ''یکساں سول کوڈ'' کیسے نافذ کیا جا سکتا ہے؟ حال ہی میں بی جے پی کے چند لیڈروں نے اس لیے استعفیٰ دیدیا تھا کہ وہ گوشت خور تھے اور بی جے پی حکومت ''بیف'' پر پابندی عائد کرنا چاہتی تھی: ع/ جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

انسانی تدبیریں، خداوندی تقدیروں کو نہیں بدل سکتیں۔ ہر انسان تدبیر اختیار کرتا ہے، لیکن حکم بادشاہ حقیقی اور احکم الحاکمین کا جاری ہوتا ہے۔ اہل اسلام پر تاتاریوں کا ظلم و ستم اور پھر ان کے قبول اسلام کا منظر یاد کریں: ع/ پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

اے گنبد خضریٰ کے مکیں وقت دعا ہے ﷺ امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

خضر راہ

ہم ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کی بزم میں علامہ نعمان احمد حنفی (پٹنہ) کا ایک مبصر اور ناقد کی حیثیت سے خیر مقدم کرتے ہیں اس خواہش کے ساتھ کہ اسی طرح بے لاگ نقد و تبصرہ جاری رکھیں گے، امید ہے کہ اس سے ماہنامہ کے معیار کو بلند کرنے اور حوالہ جات اور کمپوزنگ کے عیوب دور کرنے میں مدد ملے گی۔ (ادارہ)

آئینہ: ماہنامہ پیغام شریعت دہلی پر بے لاگ تبصرہ

از: نعمان احمد حنفی (پٹنہ)

اہل فکر و نظر اور قلم کاروں کی بزم ''پیغام شریعت'' میں یہ میری پہلی حاضری ہے۔ اگر توفیق خداوندی شامل حال رہی تو آئندہ بھی آپ سے ملاقات کی سعادت سے بہرہ مند رہوں گا۔ کوشش ہوگی کہ غیر جانب داری سے اپنی ذمہ داریاں نبھاؤں، حق بیانی سے کام لوں اور کھرے و کھوٹے کے مابین تمیز کرتے ہوئے آگے بڑھ جاؤں، مگر ان سب کے باوجود میں بھی ایک انسان ہوں، لہٰذا بتقاضائے بشریت کہیں میرے قلم کو جادۂ حق سے منحرف ہوتا دیکھیں تو ضرور تنبیہ فرما دیا کریں۔ بس شرط اتنی ہوگی کہ آپ کی گفتگو مدلل ہو، اور لہجے میں متانت و سنجیدگی کا عنصر غالب رہے۔ حق واضح ہو جانے کے بعد مجھے اپنے قول سے رجوع کے سلسلے میں سخی پائیں گے۔ **اللھم ارنا الحق حقا و ارنا الباطل باطلا: آمین**

ماہنامہ پیغام شریعت کا انیسواں شمارہ اپریل ۲۰۱۷ء مطالعہ کی میز پر ہے۔ یہ رسالہ اپنی گوناگوں خصوصیات کے ساتھ ساتھ اداریہ نویسی کے سلسلے میں بھی ایک منفرد شناخت کا حامل ہے۔ اس کا اداریہ محقق رضویات حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی نے لکھا ہے۔ ماضی قریب کی تقریباً دوسوسالہ تاریخ کو اپنے ڈھائی صفحات کے اندر جس حسن و خوبصورتی سے پیش کیا ہے، یہ انھیں کا حصہ تھا۔ شمس صاحب نے شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کو ابن عبدالوہاب نجدی کے رسالہ ''ردالاشراک'' کی فوٹو کاپی قرار دیا ہے۔ ایک عام قاری کو اس پر حیرت ہوسکتی ہے کہ عموماً تقریر و تحریر میں یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ ''کتاب التوحید'' کا خلاصہ ہے، پھر شمس مصباحی نے یہ کیا لکھ ڈالا؟ مگر ایک محقق کے قلم سے نکلے ہوئے لفظ کو اتنی آسانی سے مشکوک نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اس کی گہرائی میں جائیں گے تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ابن عبدالوہاب نجدی نے پہلے رسوائے زمانہ کتاب ''کتاب التوحید الذی ھو حق اللہ علی العبید'' لکھی تھی اور اس کے بعد اپنی اسی کتاب کا خلاصہ ''ردالاشراک'' کے نام سے لکھ کر علمائے مکہ مکرمہ کے سامنے پیش کیا۔ علمائے وقت نے اس کافر و مشرک ساز کتاب کا رد اسی وقت لکھا تھا، جو ''الھدایۃ المکیۃ'' کے نام سے شائع ہوا، اس کا ذکر شمس مصباحی نے تو نہیں کیا ہے، البتہ انہیں کے استاد خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے حضرت علامہ فضل رسول بدایونی علیہ رحمہ کی ''سیف الجبار'' کے حوالے سے کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''کتب الشیخ النجدي کتابا سماہ''کتاب التوحید ''ثم لخصه و أرسله اِلی علماء مکة حین أراد شن الغارة علی الحرم، فرد علیه العلماء وسموہ''الھدایة المکیة''نقلھما العلامة فضل الرسول البدایوني في کتابه سیف

الجبار''(حدوث الفتن وجہاد اعیان السنن ص ۴۵: المجمع الاسلامی مبارک پور، سن اشاعت: ۱۹۹۹)

مگر افسوس کا مقام ہے کہ ان دونوں تاریخی کتابوں کا سراغ نہیں ملتا۔ حد یہ ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدی کے متبعین بھی اپنے ممدوح کے تذکرہ میں ''ردالاشراک'' کا ذکر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔۱۳/ جلدوں میں شائع ابن عبدالوہاب نجدی کی تالیفات میں کہیں اس کا اتا پتا نہیں۔ یہود ونصاریٰ کی طرح تحریف کی عادی قوم سے یہ بعید نہیں کی وہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ایسا کر رہی ہو۔ مگر اہل حق کی ذمہ داری بنتی ہے کہ کم از کم علمائے مکہ مکرمہ کی کتاب'' الھدایۃ المکیۃ'' کو ڈھونڈ نکالیں۔ اگر یہ کتاب دستیاب ہوگئی تو پھران لوگوں کے حق میں ''حسام الحرمین'' کا مقدمہ ثابت ہوسکتی ہے جو امام احمد رضا محقق بریلوی کا نام سن کر بدکنے لگتے ہیں۔ ایک جگہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:'' یہ قلمی کاوشیں محض علمائے بریلی کی ہی نہیں ہیں، بلکہ بریلوی کہے جانے والے جہاں بھر کے اہل اسلام کی ہیں۔'' شاید اس جملے میں ''نہ'' چھوٹ گیا ہے۔ ایک اور جملے پر نظر رک گئی:'' پھر جن علما ومشائخ حجاز و بلاد عرب نے نجدی کا رد وتعاقب کیا''۔ ترکیبی اعتبار سے یہ جملہ محل نظر ہے، کیوں کہ اردو زبان میں ''جن'' اسم موصول ہے جس کے بعد ''صلہ'' کی حاجت ہوتی ہے جو یہاں مذکور نہیں، لہٰذا یہ جملہ تام نہ ہوا۔ حسام الحرمین ۱۳۲۴ھ میں وجود پذیر ہوئی ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کا پورا نام'' حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین'' رکھا ہے۔ کوئی بھی شخص محض اعداد حروف کے توسط سے یہ پتہ لگا سکتا ہے کہ یہ تصنیف کس سن کی ہے؟ ڈاکٹر شمس مصباحی چوں کہ ایک بہترین ادیب بھی ہیں، لہٰذا بتقاضائے ادب انھوں نے'' الشریفین'' کا اضافہ کردیا ہے۔ یہ بڑی سعادت مندی کی بات ہے کہ ''ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں'' مگر اس کا کیا کیا جائے کہ اس سے تاریخی نام رکھنے کا جو ایک خاص مقصد ہوتا ہے، وہ فوت ہوتا نظر آرہا ہے۔

''قوموں کے عروج زوال کی بنیادیں: قرآن مجید کی روشنی میں'' کے عنوان سے محترم محمد احسان شمسی نے خامہ فرسائی کی ہے۔ یہ قسط اول ہے۔ مضمون پر فصاحت وبلاغت کا غلبہ ہے۔ سورۂ رعد اور سورہ انفال کی آیت کریمہ''......**حتی یُغَیِّرُوا ما بِاَنفُسِهِم** '' کے بعد جو نتیجہ بیان کیا ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ لکھتے ہیں، دونوں آیات کریمہ سے پتہ چلتا ہے۔''انفس''ہی وہ زمین ہے جہاں عروج وزوال کی تخم ریزی ہوتی ہے......ان دونوں آیات کے مفہوم سے نتیجہ برآمد ہوتا ہے کے عروج وبقا کا اصل سنگ، اخلاق ہے۔(ص:۹)

اس مضمون میں رسم قرآنی کے حوالے سے جگہ جگہ بے احتیاطیاں دیکھنے کو ملیں، مثلاً ص:۱۱، پر'' **وجاء تھم**'' کی جگہ ''**وجائ تھم**'' اور ص:۱۲ پر'' **وباء وا**'' کی جگہ ''**وبائوا**'' بلکہ ایک جگہ تو لام اور میم میں تقدیم وتاخیر کے باعث''**کیف تعملون**'' کی بجائے ''**کیف تعلمون** '' پرنٹ ہوگیا ہے، حالانکہ ترجمہ میں اصل لفظ''تعملون''ہی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ افتائی زبان کا استعمال کیا جائے تو یہاں پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ رسم کی موافقت واجب ہے اور اس کے خلاف کرنا حرام ہے، مگر پروف کی غلطیوں کا رہ جانا بھی کچھ عجیب نہیں۔ یہ تو رسائل وجرائد کا مقدر بن چکی ہے۔ ہاں، چوں کہ یہ قرآن مجید کا معاملہ ہے، لہٰذا زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہوگی۔

اس سلسلے میں ایک ذاتی مشورہ یہ ہے کہ آپ کمپوزر کو تنبیہ کردیں کہ وہ قرآن کریم کی اوپن فائل سے کاپی پیسٹ کرکے آپ کے مضمون میں بقدر ضرورت سیٹ کردے، اس طرح بہ آسانی اس جرم عظیم سے بچا جاسکتا ہے۔ اس مضمون کے حوالے سے جو ایک بڑی چوک مجھے نظر آئی وہ یہ ہے کہ ص:۸ پر کالم کا نام'' ضیاء قرآن'' رکھا گیا ہے، حالانکہ'' خلاصہ ضیاء القرآن'' ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح مضمون نگار کے آگے''تحریر'' کی بجائے''تلخیص'' یا اس کے ہم معنی کوئی اور لفظ مناسب تھا۔

شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے صاحب زادے عالی جناب ڈاکٹر محبّ الحق امجدی گھوسوی صاحب کا مضمون'' اندھے کنویں میں علم وعرفان کے موتی ابل پڑے'' بھی نظر نواز ہوا۔ دور جدید کے علما وطلبہ کے لیے بالخصوص فکر انگیز ہے اور رقت

آمیز بھی۔ امام سرخسی کی داستان قید و بند پڑھ کر آنکھیں بھیگ گئیں۔ البتہ ایک تاریخی مضمون کو جس قدر حوالوں سے مزین ہونا چاہیے، اس کی مجھے یہاں پر کمی نظر آئی۔ درج ذیل چند جملوں پر کچھ خلجان محسوس ہوا:

''حضرت امام اعظم نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا، اپنے شاگردوں کو پڑھایا، سمجھایا، بحث کرایا، اور باقاعدہ ''کتاب السیر'' لکھی، جس کا جواب امام اوزاعی نے دیا، پھر اس کا جواب حضرت امام ابو یوسف نے دیا، پھر حضرت امام اعظم کے شاگرد رشید امام شیبانی کی علمی حمیت نے جوش مارا تو ''کتاب السیر الصغیر'' لکھی''۔ (ص: ۳۰)

ڈاکٹر کے صاحب ان جملوں پر مجھے چار طرح سے اشکال ہے: (۱) کیا ''کتاب السیر'' نام کی کوئی کتاب امام اعظم نے لکھی ہے؟ (۲) امام اوزاعی نے کتاب السیر کا جواب لکھا ہے؟ (۳) کیا امام ابو یوسف کی کوئی ایسی قلمی کاوش ہے جو ''کتاب السیر'' کے لیے جواب الجواب ہو؟ (۴) کیا امام محمد کی کتاب السیر الصغیر، علمی حمیت اور جوابی کاروائی کا حصہ ہے جیسا کہ ظاہر کلام سے سمجھ میں آتا ہے؟

امید ہے کہ تاریخ کے ایک ادنیٰ طالب کو اطمینان بخش جواب ملے گا، وہ بھی تاریخ کی معتمد و مستند کی کتابوں کے حوالوں سے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں: ''کنویں سے ہی میڑھ پر بیٹھے شاگردوں کو املا کرایا اس طرح ''کتاب السیر الکبیر'' کی چار جلدوں میں شرح تیار ہو گئی۔ اسی پر بس نہیں کیا، کافی کی شرح ''المبسوط'' ۳۰/ جلدوں میں لکھوائی''۔ (ص: ۳۱) ''چار جلدوں میں شرح تیار ہو گئی اسی پر بس نہیں کیا'' ۔ یہ حصہ خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ اس کے ظاہر سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ''السیر الکبیر'' کی تکمیل کے بعد ''المبسوط'' لکھی گئی ہے، جب کی آپ کے حالات میں یہ درج ہے کہ جب آپ اس کتاب کے ''باب الشروط'' تک پہنچے، تب آپ کو قید سے رہائی مل گئی، پھر ۴۸۰ھ میں رہائی کے بعد مرغینان میں ''السیر الکبیر'' پایہ تکمیل کو پہنچی۔ البتہ اس کی تائید کرنے میں مجھے کوئی تامل نہیں کہ ''المبسوط'' کی تیسوں جلدوں کی تکمیل اسی قید و بند کی حالت میں ہو گئی تھی۔

''تاج الشریعہ اور حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ والرضوان'' کے عنوان سے مدیر اعلیٰ مفتی فیضان المصطفیٰ قادری صاحب کا مضمون دلچسپی سے پڑھا گیا۔ مقام غور یہ ہے کہ یہ تحریر اس زمانے کی ہے، جب کہ دنیا بھر میں فتوائی نظام کو بدنام کرنے والے حضرات خود فتویٰ لگانے میں مصروف تھے، ان کے رد میں جذبات سے مغلوب ہو کر بہت کچھ لکھا جا سکتا تھا، مگر مثبت فکری اور سنجیدہ مزاجی ہر ایک کو نہیں ملا کرتی کہ یہ ایک قدرتی عطیہ ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے ہی بہرہ ور ہوتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ فاضل گرامی مدیر اعلیٰ انہیں خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں۔ اتنے نپے تلے انداز میں حقائق کو سامنے رکھا ہے کہ مخالف بھی اس پر ایمان لانے کو تیار ہو جائے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مسلمانوں کی تعلیمی زبوں حالی، مسائل، امکانات اور ان کے تدارک کے حوالے سے مولانا طارق انور مصباحی صاحب مسلسل لکھ رہے ہیں، ان کا ہر مضمون قیمتی افادات پر مشتمل ہوتا ہے۔ سچ پوچھئے تو ان کے یہ مضامین مسلمانوں کو حالات حاضرہ سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ عطا کرتے ہیں، بلکہ پیغام شریعت کا ہر شمارہ اپنے دامن میں صبح نو کا اجالا لے کر نمودار ہوتا ہے۔ اپریل کے اس شمارے میں انہوں نے نہ صرف عمومی طور پر قوم مسلم کو للکارا ہے، بلکہ عمائدین اسلام اور علما و مشائخ کی فکر و فن کو مہمیز کر کے میدان عمل میں پابہ رکاب ہونے کی اپیل کی ہے۔ جگہ جگہ ان کے زرنگار قلم سے کچھ ایسے مختصر مگر جامع جملے بھی صادر ہوئے ہیں، جنہیں مستقل ''اقوال زریں'' کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اللھم زد فزد: آمین

مصباحی صاحب نے کیرالا میں رائج جس نظام تعلیم ''پلی درس'' (pallidars) کا ذکر کیا ہے، ہم اس کی تفصیل جاننے کے خواہاں

ہیں، تا کہ مزید غور و خوض کے بعد اس حوالے سے صاحبان اقتدار کو بیدار کیا جا سکے۔ ممکن ہے کہ آئندہ کسی قسط میں اس کی تفصیل ذکر کر کے تشنگی کو دور فرمائیں گے۔

''ماہنامہ پیغام شریعت: ماضی کے حالات اور مستقبل کے عزائم'' کے نام سے ان کا ایک اور مضمون شمارے کی زینت بنا ہے، جس میں موضوع سے متعلق سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، بلکہ بعض رازدارانہ باتیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ سنی رسائل و جرائد کے مروجہ نظام کے برعکس اس میں ایک بات ہمیں یہ دیکھنے کو ملی کہ جن موضوعات پر مضامین ومقالہ جات قارئین کے لیے افادہ بخش اور دلچسپ ثابت ہو سکتے ہیں، ان موضوعات کا ایک تفصیلی خاکہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ جو لوگ اپنی فکر وفن کو محدود موضوعات میں مقید رکھنے کے عادی ہو چکے ہیں، انہیں کچھ نئی سمتوں سے بھی متعارف ہونا پڑے گا اور قارئین اکتاہٹ سے محفوظ رہ سکیں گے۔ چنانچہ مذہبی وغیر مذہبی سب ملا کر کل ساٹھ مجوزہ عناوین وموضوعات کے مطالعہ کے بعد ایک خوشگوار تاثر ابھر کر یہ سامنے آیا کہ اس خاکے کا مرتب بڑا وسیع الفکر اور زمانہ شناس ہے، مگر ساتھ ہی یہ دیکھ کر مایوسی بھی ہاتھ لگی کہ اس میں ''ذات باری تعالیٰ'' کے حوالے سے براہِ راست کوئی بھی عنوان تجویز نہیں کیا گیا ہے، حالاں کہ ایک سچے اور پکے موحد ہونے کے ناطے ہماری اولین ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اپنی توجہات کچھ اس طرف بھی مرکوز کریں۔ یہ ایک طرح سے ان قوموں کا عملی جواب بھی ہوگا جو ہماری توحید پرستی کے حوالے سے شاکی نظر آتے ہیں۔

''میگزین کی اعتدال پسندی'' کے تحت مدیر اعلیٰ حضرت مفتی فیضان المصطفیٰ قادری کی تحریر اچھی لگی۔ اگر واقعی یہ رسالہ انہیں خطوط پر عمل پیرا رہا تو امید ہے کہ اتحاد اہل سنت کے حوالے سے یہ ایک بہترین پلیٹ فارم ثابت ہوگا۔ خوبصورت متن: ہم اپنے لیے شریعت ہی کے اصول کو اصول تسلیم کرتے ہیں'' اور آیات قرآنی واحادیث نبویہ کی روشنی میں اس کی شرح ''اصول پنج گانہ'' پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی، اور کچھ تشویش بھی۔ چوں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی مقالہ طویل ہوتا جا رہا ہے اس لیے ہم اپنی تشویش کو کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

اپریل کے اس شمارے کو ص:۳ پر جلد دوم کے تحت جگہ ملی ہے، جب کہ ص:۳۲ پر جلد سوم کا پہلا شمارہ کہا گیا ہے، اس معمہ کو حل کرنے کے لیے حضرت مولانا قاسم مصباحی صاحب کی خدمات حاصل کی جانی چاہئیں۔

ص:۴۳/ پر محترم جرار احمد (حیدرآباد) اور مولانا منیف عالم رضوی کی تحریریں بھی دلچسپیوں کا ساماں بنیں۔ اول الذکر نے اپنے مقالے میں ایک لفظ کریمی (creamy) کا استعمال کیا ہے، یہ اردو زبان میں ایک مداخلت بے جا ہے، جب کہ مؤخر الذکر نے ص:۴۵/ پر مصر کے صدر کا نام ''عبد الفتح الصیصی'' لکھا ہے۔ اس سلسلے میں صحیح کیا ہے وہ تو فاضل مصر حضرت مولانا ناز ہارا مجدی ہی بتائیں گے۔ البتہ ہم اتنا جانتے ہیں کہ یہ نام ''عبد الفتاح السیسی'' لکھا اور بولا جاتا ہے۔

چلتے چلتے اتنا عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ مطالعہ کے دوران اکثر مضامین میں حتیٰ کہ ''شرعی مسائل'' کے کالم میں بھی حوالوں کے تعلق سے بڑی بے احتیاطی پائی جاتی ہے۔ حسن ظن کا دامن وہاں چھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے جہاں یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ ایک ہی مضمون نگار نے کسی جگہ حوالہ نویسی کی جدید طرز کا التزام کیا ہے، یعنی کتاب، صفحہ، باب، حدیث نمبر مطبع، سن طبع، غرض کہ جتنا کچھ ہو سکتا تھا، سب کچھ لکھ ڈالا ہے، جبکہ دوسری جگہ فقط کتاب کا نام مثلاً ''بخاری شریف'' لکھنے پر اکتفا کیا ہے، بلکہ اسی شمارہ میں ایک صاحب نے تو فقط حدیث پاک ''**تخلقوا باخلاق اللّٰه**'' ذکر کر کے کتاب کے نام سے بھی بے نیاز کر دیا ہے۔ آخر اس طرح کی عدم یکسانیت (وہ بھی ایک ہی مضمون میں) کو کس چیز کا نام دیا جائے؟ تلخ نوائی کے لیے معذرت: خدا حافظ

باغ وبہار

مدارس اسلامیہ کے طلبا وطالبات اور اسکول وکالج کے اسٹوڈنٹس کی قلمی مشق وتربیت کے لیے یہ ایک مستقل کالم ہے۔اس کالم میں صرف مختصر مضامین{Short Articles} قبول کیے جائیں گے، جو عام فہم ہوں۔مضمون نگار اپنا نام، ولدیت، سکونت، تعلیم گاہ اور درجہ/کلاس کی تفصیل بھی درج کرے۔''باغ وبہار'' کے مضامین اس ای میل پر بھیجیں۔(ادارہ)

tariqueanwer313@gmail.com

آر ایس ایس کے کارکنان عالمانہ شکل وصورت میں

محمد سمیع اختر بن کمال ملک بھنور ضلع نوادہ (بہار) کلاس چہارم: گیان بھارتی پبلک اسکول، ہسوا ضلع نوادہ (بہار)

کئی جگہوں پر آر ایس ایس کے لوگ مسلمان عالموں کی شکل وصورت میں دیکھے گئے ہیں۔ایسی شکل وصورت سے ان لوگوں کا مقصد کیا ہے؟ابھی زیادہ واضح نہیں ہوسکا ہے۔سوشل میڈیا پر اس طرح کے کئی لوگ پکڑے گئے ہیں۔ایک شخص اپنا نام مختار بتا تا تھا،اور داڑھی رکھے ہوئے ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔لوگوں کو کچھ شک ہوا تو اسے پولیس کے پاس لے گئے۔پولیس کو اس نے اپنا آدھار کارڈ دکھایا تو اس میں اس کا نام پرکاش لکھا تھا اور باپ کا نام راجپند راور گھر جئے پور تھا۔ان سب چیزوں کا اقرار اس لڑکے نے خود کیا تھا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ اور ہوا۔ایک ہندو داڑھی رکھے اور عمامہ باندھے ہوئے تھا،جیسا کہ وہ کوئی عالم ہو۔جب لوگوں نے اس سے مغرب اور عشا کی نماز کا وقت پوچھا گیا تو وہ نہ بتا سکا۔درحقیقت آر ایس ایس وغیرہ کے لوگ مسلمانوں کی شکل وصورت اپنا کر جرائم کرتے ہیں،تا کہ مسلم طبقہ بدنام ہو۔کچھ دنوں پہلے آر ایس ایس کا ایک ممبر ایک مندر میں بیف پھینکتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ابھی کچھ مہینے پہلے ایک مسلم عورت تین طلاق کو ختم کرنے کے لیے ایک مندر میں ''ہنومان چالیسہ'' پڑھتے ہوئے دیکھی گئی تھی۔یہ ویڈیو سوشل میڈیا پر بہت چھایا رہا،پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بی جے پی سے تعلق رکھنے والی ایک ہندو عورت تھی،جو نقاب پہن کر مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے یہ حرکت کررہی تھی۔اس طرح کی بہت سی حرکتیں مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے ہوتی رہتی ہیں۔

بابری مسجد کو رام جنم بھومی ثابت کرنے کے لیے ۲۲/ دسمبر ۱۹۴۹ء کی رات کو چند شر پسندوں نے رام کی مورتی کو مسجد کے اندر رکھ دیا اور یہ مشہور کردیا گیا کہ وہاں خود بخود رام کی مورتی ظاہر ہوئی ہے۔کل صبح ۲۳/ دسمبر ۱۹۴۹ء کو حکومت نے مسجد کو اپنے قبضہ میں لے کر مسجد کو بند کردیا اور ہندو مسلم دونوں طبقوں کو مسجد جانے سے روک دیا گیا۔آخر کار وہ مسجد ۶/ دسمبر ۱۹۹۲ء کو شہید کردی گئی،لیکن اس مورتی والے معاملہ کے بعد کبھی وہ مسجد مسلمانوں کے قبضے میں نہ آسکی۔اس طرح کے واقعات سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ ہندو سنگھٹنوں کی جانب سے مسلسل کچھ ایسے کام انجام دیئے جارہے ہیں،جو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہیں۔

ابھی چند مہینے قبل چند مسلم شکل وصورت والے لوگوں نے بابری مسجد کی جگہ رام جنم بھومی مندر بنانے کی حمایت کیا۔بعض مسلم نما لوگ رام جنم بھومی مندر کے لیے اینٹ، پتھر وغیرہ لے کر آئے۔درحقیقت یہ سب ہندو لوگ ہوتے ہیں،جو مسلمانوں کی شکل اپنا لیتے ہیں۔اسی طرح روپیہ پیسہ دے کر مسلمانوں کو بھی اس طرح کے کاموں کے لیے تیار کیا جاسکتا ہے۔ہر قوم میں دنیادار لوگ رہتے ہیں۔

اخبار وحالات

سید فیضان منور بن سید علیم منور، پی یوسی: بنگلور یونیورسٹی (بنگلور)

(۱)امریکہ کے سائنس دانوں (ماہرین فلکیات) نے چاند کا سفر کیا۔اس سفر میں ایک کھرب ڈالرخرچ ہوا، امریکی جھنڈا چاند پر لگایا گیا۔ان ماہرین فلکیات نے بتایا کہ چاند کبھی دوٹکڑے ہوا تھا، پھر وہ دونوں ٹکڑے آپس میں جڑ گئے تھے۔ٹکڑے ہونے کی وجہ سے اس کے چٹانوں میں ٹکڑے ہونے کے نشانات موجود ہیں۔مسلمانو! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزہ کے ذریعہ چاند دوٹکڑے ہوا تھا، پھر دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے تھے۔آج کی سائنسی تحقیقات نے دراصل اسی حقیقت کو ثابت کر دکھایا ہے۔

(۲)مشہور سابق مرکزی وزیر عزت مآب محترم سی ایم ابراہیم صاحب نے ۲۱/ جولائی ۲۰۱۷ء کو مسجد غوث اعظم ،سارے پالیہ (بنگلور) کی افتتاحی تقریب میں کہا کہ اہل سنت وجماعت وہ مسلک ہے، جو روح کو مسلمان بنا دیتا ہے، جبکہ دوسرے مسالک صرف جسم کو مسلمان بناتے ہیں،مزید فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر میں انگوٹھوں کو چومتا ہوں، بعض لوگ یہ دیکھ کر اندر ہی اندر ہنستے ہیں، مگر میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔اسی بیان میں انہوں نے کہا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی میں بھی داڑھی رکھ کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں بھی تصوف کی راہ پر جانے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن اب تک اس کی پہلی منزل میں بھی نہیں پہونچ سکا۔اسی تقریب میں انہوں نے مسلمانوں کو اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے فضائل بتاتے ہوئے کہا کہ دراصل ہندوستان کے پرائم منسٹر حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں اور ریاست کرناٹک کے چیف منسٹر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں۔جو فیصلے یہ لوگ کرتے ہیں، وہی فیصلے ملک یا ریاست میں نافذ ہوتے ہیں اور ہمیں کسی سیاسی پارٹی سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ہاں، ہمارے غلط اعمال کے سبب ہمیں کچھ سزائیں دے کر ہماری اصلاح کی جارہی ہے۔

(۳)چیف جسٹس آف انڈیا جگدیش سنگھ کھیہر کا ریٹائرمنٹ ۲۷/ اگست ۲۰۱۷ء کو ہوا۔جسٹس کھیہر نے اپنے بعد جسٹس دیپک شرما کو چیف جسٹس آف انڈیا بنایا گیا۔جسٹس دیپک شرما کی مدت ۲/ اکتوبر ۲۰۱۸ء کو ختم ہوگی۔سپریم کورٹ میں یہ طریقہ کار ہے کہ ہر چیف جسٹس اپنے بعد کے لیے چیف جسٹس کے نام کی سفارش کرتا ہے۔اسی جج کے نام کی سفارش کی جاتی ہے، جو چیف جسٹس کے بعد سب سے سینئر جج ہو۔اسی دستور کے مطابق جسٹس کھیہر نے اپنے بعد کے لیے جسٹس شرما کے نام کی سفارش وزارت قانون وانصاف کے پاس بھیج دی تھی۔جسٹس جے ایس کھیہر کے بعد دیپک شرما سب سے سینئر جج ہے۔

(۴)ریاست بہار کے وزیر اعلیٰ نتیش کمار نے ''مہا گٹھ بندھن'' سے رشتہ توڑ کر ۲۶/ جولائی ۲۰۱۷ء کو اپنے عہدے سے استعفیٰ دیدیا اور ۲۷/ جولائی ۲۰۱۷ء کو بی جے پی کے اتحاد سے نئی حکومت تشکیل دی ہے۔اس طریقہ کار سے سیکولر پارٹیوں اور سیکولر نظریات کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اور فرقہ پرست قوتوں کو ایک سہارا مل گیا۔اب آنے والا وقت بتائے گا کہ نتیش کمار کا فیصلہ خود اس کے حق میں مفید تھا یا مضر؟

ہندو مذہب میں شادیوں کی کثرت

مصباح المصطفٰی بن کمال ملک بھنور ضلع نوادہ (بہار) کلاس نہم: ہسوا ہائی اسکول، ہسوا ضلع نوادہ (بہار)

ہندو دھرم کے لوگ مسلمانوں پر سوال اٹھاتے رہتے ہیں کہ مسلمان لوگ کئی ایک شادی کرتے ہیں۔چار شادی کی اجازت اسلام دھرم میں ہے، اس کو ختم کیا جائے۔اگر ہندو لوگ اپنے مذہب کے بارے میں جان لے تو شاید یہ سوال اٹھانا بھول جائیں۔

ہندو قوم کے معبود ''رام'' کے والد راجہ دسترتھ (Dashrath) کی تین بیویاں تھیں (۱) کوشلیا (Kaushalya) (۲) سومیترا

(Sumitra)(۳) کائے کیئی (Kaikeyi)

ہندوقوم کے دوسرے معبود ''کرشنا'' کی سولہ ہزار ایک سو بیویاں (16,100) تھیں۔اس کی چند مشہور بیویوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) رادھا (Radha)(۲) روکمینی (Rukmini)(۳) ستیا بھاما (Satyabhama)(۴) جمبا وتی (Jambavati)
(۵) ستیا (Satya)(۶) لکشمنا (Lakshmana)(۷) کالندی (Kalindi)(۸) بھدرا (Bhadra)(۸) متراوندا (Mitravinda)

ہندو مذہب کی مذہبی کتابوں میں بیویوں کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔جب حکومت ہند نے ہندو میرج ایکٹ: ۱۹۵۵ء بنایا، تب ہندوؤں کے لیے حکومتی قانون بنایا گیا کہ ہندو ایک ہی بیوی رکھ سکتا ہے۔پس یہ حکومتی قانون ہے، ہندو مذہب کی کچھ صراحت اس بارے میں نہیں ملتی۔اس کے باوجود آج بھی مسلمانوں کی بہ نسبت ہندوؤں میں تعدد ازدواج کا رواج زیادہ ہے۔ہندو شادی کر کے ایک بیوی رکھتے ہیں اور بلا نکاحی بیوی کئی ایک رکھتے ہیں، جبکہ مسلمانوں میں بیک وقت چند بیویاں رکھنے کا رواج پورے ہندوستان میں کہیں نظر نہیں آتا۔اگر ایک ہزار میں ایک آدمی چند بیوی رکھتا بھی ہوتو اس کو رواج کا نام نہیں دیا جا سکتا، بلکہ یہ اس آدمی کا ذاتی عمل قرار پائے گا۔رواج اسی کو کہا جائے گا کہ کم از کم دس فیصد لوگ اس کو انجام دیتے ہوں۔

آج کل ہندو گروؤں اور باباؤں کا حال بھی انتہائی قابل اعتراض ہے۔بہت سے بابا عورتوں سے بدکاریوں کے سبب جیل میں ہیں۔یہ لوگ شادی ہی نہیں کرتے، پبلک کے درمیان خود کو سنیاسی اور دنیا سے لاتعلق اور بے نیاز ظاہر کرتے ہیں اور اندرونی احوال بہت ہی قابل اعتراض ہوتے ہیں۔سیاسی پارٹیاں اپنے ووٹ بینک کو محفوظ رکھنے کے لیے ان باباؤں سے چشم پوشی کرتی ہیں، کیونکہ باباؤں کے پاس پبلک کی ایک بڑی تعداد ہوتی ہے۔چند باباؤں کے نام نیچے لکھے جاتے ہیں۔

(۱) بابا رام رہیم: اگست کے اخیر عشرہ میں ڈیرہ سچا سودا (ہریانہ) کے بابا رام رحیم کے خلاف پندرہ سالہ پرانے ریپ کیس پر کورٹ نے سزا سنائی تو بابا کے حامیوں نے ۳۱/ بے قصور لوگوں کو ہلاک کر دیا اور تین ہزار دوسو کروڑ کی ملکیت کو تباہ کیا، ڈھائی سو لوگ زخمی ہوئے ہیں۔ہریانہ اور پنجاب کے مختلف ضلعوں میں آگ لگائی گئی۔بہت سی بسیں اور گاڑیاں جلائی گئیں۔

(۲) آسارام: نابالغ لڑکی سے بدکاری کرنے کا الزام ہے ۲۰۱۳ء سے جیل میں بند ہے (۳) چندرسوامی: یہ پی وی نرسمہا راؤ کا قریبی صلاح کار مانا جاتا تھا۔اس پر مختلف قسم کا الزام ہے (۴) بابا رام پال: دیش سے غداری کے الزام میں جیل میں بند ہے۔اس پر بدکاری، قتل وغیرہ کا بھی الزام ہے (۵) نتیانند سوامی: ۲۰۱۰ء میں ایک ہیروئن کے ساتھ جسمانی تعلقات کے الزام کے سبب جیل جانا پڑا (۶) سوامی بھیمانند: سیکس اسکینڈل کے الزام میں گرفتاری ہوئی۔

موبائل کی تباہ کاریاں

غلام حسین بن خلیل احمد (سدلگٹہ، کرناٹک) درجہ خامسہ: جامعہ حضرت بلال ٹیانری روڈ (بنگلور)

موبائل فون نے جہاں انسانوں کو بہت سی سہولتیں دیا ہے، وہیں موجودہ دور میں بہت سی اخلاقی ومعاشرتی برائیوں کے فروغ میں موبائل فون اور انٹرنیٹ نے انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔آج کل نوجوان طبقہ ٹائم پاس کے لیے موبائل میں مشغول رہتا ہے۔واٹس ایپ ،فیس بک وغیرہ کے ذریعہ اجنبی لوگوں سے روابط پیدا کیے جاتے ہیں۔رفتہ رفتہ یہ تعلق آگے بڑھ جاتا ہے اور اجنبیت ختم ہوجاتی ہے۔اس طرح کبھی جرائم پیشہ لوگوں کو اپنا ہم خیال ممبر دستیاب ہوجاتا ہے۔عشق مجازی کے طلبگاروں کو اپنا ساتھی دریافت ہوجاتا ہے، پھر جرائم اور بے حیائیوں کا سلسلہ آگے بڑھتا جاتا ہے۔

موبائل فون جس طرح نامحرموں سے تعلقات قائم کرنے اور غلط کاموں میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہے، وہیں اس کے دیگر نقصانات بھی ہیں۔ موبائل فون اور انٹرنیٹ میں نوجوانوں کی ایک لمبی رقم برباد ہوجاتی ہے، وقت بھی ضائع ہوتا ہے۔ موبائل فون نے انسانوں کو جسمانی اور دماغی بیماریوں میں مبتلا کردیا ہے۔ موبائل کی وجہ سے بلڈ پریشر، دل کے دورے، چڑ چڑاپن وغیرہ امراض جنم لیتے ہیں۔ یہ چڑ چڑاپن گھریلو ماحول کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ میاں بیوی میں جھگڑے ہوتے ہیں اور خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

بسا اوقات لوگ موبائل سے بات بھی کرتے جاتے ہیں ، اور گاڑی بھی چلا رہے ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے ایکسیڈنٹ بھی ہوجاتا ہے۔ کبھی لوگ مائیکروفون لگان کر موبائل سے گانا سننے میں مشغول ہوتے ہیں، پیچھے سے آنے والی گاڑیوں کا ہارن نہیں سن پاتے اور ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔ اس طرح موبائل مختلف قسم کی ذہنی، جسمانی، سماجی و اخلاقی بیماریوں اور برائیوں کو جنم دیتا ہے۔

موبائل فون میں اتنے آپشن ہیں کہ موبائل فون ایک چلتا پھرتا سنیما ہال بن چکا ہے۔ اب بہت سی کمپنیوں نے مفت میں انٹرنیٹ کی سہولت مہیا کردی ہے، یہ سہولت مفید ہونے کے ساتھ مضر بھی ہے۔

(باقی صفحہ ۵۴) کے جدید کالم ''باغ و بہار'' کے لیے کوآرڈی نیٹرس منتخب کیا گیا ہے۔ کالم ''باغ و بہار'' کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) مدارس اسلامیہ کے طلبا و طالبات اور اسکول و کالج کے اسٹوڈنٹس کی قلمی مشق و تربیت کے لیے یہ ایک مستقل کالم ہے۔ اس کالم میں صرف مختصر مضامین {Short Articles} قبول کیے جائیں گے، جو عام فہم اور عوام مسلمین کے لیے فائدہ بخش ہوں۔

(۲) ان شاء اللہ تعالیٰ اپریل ۲۰۱۷ء تا مارچ ۲۰۱۸ء ''باغ و بہار'' کے کالم میں جن قلمکاروں کے چھ مضامین شائع ہوں گے، انہیں ترغیبی انعامات دیئے جائیں گے۔ پھر ان مضمون نگاروں کے درمیان اول، دوم وسوم پوزیشن کا تعین قرعہ اندازی کے ذریعہ ہوگا اور انہیں انعامات دیئے جائیں گے۔ کالم باغ و بہار: ۱۸/۲۰۱۷ء کے نتائج کا اعلان اپریل ۲۰۱۸ء کے شمارہ میں ہوگا۔

(۳) مضمون اردو ان پیج (Inpage) یا ورڈس (Words) میں لکھ کر بھیجیں۔ مضمون A4 سائز میں ایک صفحہ سے کچھ کم ہو۔ یا صاف ستھری قلمی تحریر کا فوٹو لے کر واٹس ایپ (Whats,App) پر بھیجیں، یا اسکین (Scan) کر کے ای میل پر بھیجیں۔ قلمی تحریر فل اسکیپ سائز (Full Scape Size) میں ایک صفحہ سے کچھ کم ہو۔

(۴) مضمون نگار اپنا نام، ولدیت، سکونت، تعلیم گاہ اور درجہ/ کلاس کی تفصیل بھی درج کرے۔ ''باغ و بہار'' کے مضامین اس ای میل پر بھیجیں۔

Email. tariqueanwer313@gmail.com *** Whats,App No. 9916371192

(۵) ہندوستان کی مساجد و مدارس اور اسلامی مراکز کے لیے ''ماہنامہ پیغام شریعت'' (دہلی) بطور تحفہ بلا معاوضہ (Free of Cost) جاری کیا جائے گا، لہٰذا ذمہ داروں سے گذارش ہے کہ مذکورہ بالا ای میل یا واٹس ایپ پر مساجد و مدارس و اسلامی لائبریری وغیرہ کے ایڈریس انگریزی میں لکھ کر پن کوڈ نمبر کے ساتھ بھیجیں، تاکہ ان پتوں پر میگزین جاری کیا جاسکے۔

(۶) قلمکاروں سے بصد ادب عرض ہے کہ حالیہ اخبارات کو بغور دیکھ کر حالات حاضرہ کے مطابق ایسے موضوعات کا انتخاب فرمائیں، جن سے مسلمانان ہند یا مسلمانان عالم کے مفادات وابستہ ہوں۔ گرچہ اس نوع کی مضمون نگاری میں کچھ مشقت در پیش ہوگی، لیکن اس طرز و روش کو اپنانے میں قومی بھلائیاں مضمر ہیں، نیز قلمکار کی قابلیت بھی ترقی پذیر ہوگی۔ جن موضوعات پر بہت سی کتب و رسائل دستیاب ہیں، ان موضوعات پر قلم طرازی کا صریح مفہوم یہ ہے کہ یہاں، وہاں سے مواد اکٹھا کر دیئے گئے ہیں۔ یہ مضمون نگاری کی ادنیٰ منزل ہے۔

(۷) قلمکاران مواد کی فراہمی کے لیے نیٹ، الیکٹرانک/ پرنٹ میڈیا اور برقی لائبریریوں سے استفادہ کریں۔ واللہ الموفق وہو المعین۔

خیر و خبر

جلسہ تقسیم انعامات واسانید: تحریری انعامی مقابلہ: ۲۰۱۶ء

رپورٹ: محمد ابو ہریرہ رضوی، درجہ فضیلت، الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور)

ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے زیر اہتمام ۲۵/ اگست ۲۰۱۷ء کو عزیزی ہاسٹل، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں ''تقسیم انعامات واسانید'' کا پروگرام منعقد کیا گیا۔ اس میں تحریری انعامی مقابلہ ۲۰۱۶ء میں اول، دوم وسوم پوزیشن حاصل کرنے والے قلمکاروں کو انعامات واسانید سے سرفراز کیا گیا اور مقابلہ کے تمام شرکا کو سندوں سے نوازا گیا۔ پروگرام میں حضرت علامہ مسعود احمد برکاتی دام ظلہ الاقدس اور حضرت مولانا حسیب صاحب مصباحی اور جامعہ اشرفیہ (مبارکپور) کے طلبہ نے شرکت فرمائی۔

(۱) گروپ الف، ب وج میں اول پوزیشن حاصل کرنے والوں کو فتاویٰ رضویہ (۲۲/ جلدیں)، پوزیشن دوم حاصل کرنے والوں کو فتاویٰ شارح بخاری وفتاویٰ فقیہ ملت اور پوزیشن سوم حاصل کرنے والوں کو بہار شریعت مع فتاویٰ فیض الرسول دی گئی، اوران 9/ مقالہ نگاروں کو ایک ایک ہزار روپے بطور انعام دیئے گئے۔

(۲) 27/ مقالہ نگاران جن کے مقالوں کا محصلہ نمبر 88/ یا اس سے زائد ہے، ان تمام کے نام ماہنامہ ''پیغام شریعت'' ایک سال کے لیے اعزازی طور پر جاری کیا گیا۔

(۳) شرکائے مسابقہ میں اول، دوم وسوم پوزیشن حاصل کرنے والے مقالہ نگاروں کے نام دوسال کے لیے ماہنامہ ''پیغام شریعت'' بطور انعام جاری کیا گیا۔

(۴) انعامی مقابلہ میں شرکت کرنے والے تمام مقالہ نگاروں کو اعزازی سند سے نوازا گیا۔

(۵) تحریری انعامی مقابلہ: سال ۲۰۱۶ء کے کوآرڈی نیٹرس کو مدارج النبوت (مکمل) بطور تحفہ دی گئی۔

امتیازی پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ

پہلی پوزیشن: عطاء المصطفےٰ جھارکھنڈ، درجہ خامسہ، الجامعۃ الاشرفیہ

دوسری پوزیشن: محمد معین الدین سیتامڑھی فضیلت، الجامعۃ الاشرفیہ

تیسری پوزیشن: محمد ابو ہریرہ رضوی جھارکھنڈ، سابعہ، الجامعۃ الاشرفیہ

گروپ (الف)

پہلی پوزیشن: محمد ابو ہریرہ رضوی جھارکھنڈ، سابعہ، الجامعۃ الاشرفیہ

دوسری پوزیشن: محمد معین الدین سیتامڑھی فضیلت، الجامعۃ الاشرفیہ

تیسری پوزیشن: غلام محمد ہاشمی اتر دیناجپور، تخصص الجامعۃ الاشرفیہ

گروپ (ب)

پہلی پوزیشن: عطاء المصطفےٰ جھارکھنڈ، درجہ خامسہ، الجامعۃ الاشرفیہ

دوسری پوزیشن: محمد وزیر، بانکا، بہار، سادسہ، الجامعۃ الاشرفیہ

تیسری پوزیشن: محمد فیضان رضا مظفرپور، خامسہ، الجامعۃ الاشرفیہ

گروپ (ج)

پہلی پوزیشن: محمد شاہد رضا جھارکھنڈ، درجہ ثانیہ، الجامعۃ الاشرفیہ

دوسری پوزیشن: محمد دانش رضا، بکارو، ثانیہ، جامعہ امجدیہ رضویہ

تیسری پوزیشن: محمد حسان سنت کبیر نگر، درجہ ثالثہ، الجامعۃ الاشرفیہ

نمائندگان تحریری انعامی مقابلہ: سال ۲۰۱۶ء

(۱) محمد فیضان سرور، ساکن اورنگ آباد بہار، درجہ تخصص فی الحدیث، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ (یوپی)

(۲) شاداب احمد امجدی، ساکن گھوسی، مئو یوپی، درجہ تخصص فی الفقہ، جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی ضلع مئو (یوپی)

(۳) محمد ابو ہریرہ رضوی، ساکن رام گڑھ جھارکھنڈ، درجہ سابعہ، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ (یوپی)

مجلس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، پھر نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھی گئی۔ حضرت مولانا فیضان سرور مصباحی نے ایک مبسوط تقریر فرمائی ۔ اسانید وانعامات حضرت علامہ مسعود احمد صاحب برکاتی اور حضرت مولانا حسیب صاحب مصباحی کے دست مبارک سے تقسیم کیے گئے، نیز حضرت مولانا مسعود احمد صاحب قبلہ کو بطور تحفہ ''فتاویٰ شارح بخاری'' اور حضرت مولانا حسیب صاحب کی خدمت میں ''فتاویٰ فقیہ ملت'' پیش کی گئی۔ حضرت مولانا مسعود احمد صاحب قبلہ برکاتی کی نیک دعاؤں اور صلاۃ وسلام پر مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

سوغات تشکر

ادارہ پیغام شریعت (دہلی)

ادارہ پیغام شریعت (دہلی) جلسہ تقسیم انعامات واسانید (منعقدہ ۲۵/ اگست ۲۰۱۷ء: عزیزی ہاسٹل الجامعۃ الاشرفیہ ، مبارکپور) کے تمام منتظمین کا شکر گذار ہے، جنہوں نے انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ پروگرام کو ترتیب دیا اور اسے پایہ تکمیل تک پہونچایا۔ ادارہ ''پیغام شریعت'' کے تمام ارکان وممبران، استاذ عالی المراتب حضرت علامہ مسعود احمد برکاتی مصباحی دام ظلہ العالی اور فاضل گرامی قدر حضرت مولانا حسیب صاحب مصباحی کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان حضرات نے ہمارے پروگرام کو زینت بخشی۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء: آمین

تحریری انعامی مقابلہ: ۲۰۱۶ء کے کوآرڈی نیٹرس کو عمدہ خدمات کے سبب ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی)............ (بقیہ صفحہ ۵۲ پر)

مظالم برما پر اشک قلم

نتیجہ فکر: عبدالمنان کلامی امجدی رضوی لاتیہار جھارکھنڈ

ہے ظلم سایہ فگن؛ اشکبار ہیں آنکھیں
کرم ہو شاہ زمن؛ اشکبار ہیں آنکھیں
ہے چور چور بدن؛ اشکبار ہیں آنکھیں
لُٹی ہے عزتِ زن؛ اشکبار ہیں آنکھیں
غمِ مظالمِ برما کا سوگ ہے ہر سو
لرز اٹھا ہے گگن؛ اشکبار ہیں آنکھیں
ہر ایک بھائی ہے مجبور آج برما میں
ہے زیرِ خنجر بہن اشکبار ہیں آنکھیں
ہے وحشیوں کے ہوس کی شکار ہر عورت
ہے عام قتل و زدن؛ اشکبار ہیں آنکھیں
صبیؑ و پیر و جواں سب ہیں تیغ کی زد میں
ہے خون خون وطن؛ اشکبار ہیں آنکھیں
مٹا ہے برما سے انسانیت کا نام و نشاں
بجھی حیا کی کرن؛ اشکبار ہیں آنکھیں
خدایا بارشِ نصرت سے ان کو کر سیراب
جلا ہے ظلم سے تن؛ اشکبار ہیں آنکھیں
مٹائی ظلم نے شادابیِ گلِ برما
ہوا اداس چمن؛ اشکبار ہیں آنکھیں
ہو کیوں خموش؛ اٹھو حکمرانِ مسلم تم
ہلا دو ظلم کا رن؛ اشکبار ہیں آنکھیں
لہو لہان ہے روہنگیا کا ہر مسلم
کلامی! روتا ہے من؛ اشکبار ہیں آنکھیں

R.N.I. NO. DELURD/2015/65657
Publishing Date : 20
Same Month

Posted at Delhi RMS

Postal Registration DL (DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages With Title Cover
Weight 95 grams
Posting Date : 21 & 22

Paigam E Shariat Monthly

Vol: - 02, Issue : 25 October - 2017

محسن ملت یونانی میڈیکل کالج، بیجناتھ پارہ، رائے پور (چھتیس گڑھ)

ایک تعارف

محسن ملت یونانی میڈیکل کالج اینڈ ہاسپیٹل رائے پور (چھتیس گڑھ) محسن ملت یونانی طب ایجوکیشن سوسائٹی رائے پور کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ ۲۰۰۲ء میں اس تنظیم کے بینر تلے مجاہد آزادی، خلیفہ اعلیٰ حضرت، محسن ملت حضرت مولانا حامد علی فاروقی علیہ الرحمہ کے نام کی طرف انتساب کرتے ہوئے محسن ملت یونانی میڈیکل کالج کا قیام عمل میں آیا۔ یہ کالج حکومت ہند اور حکومت چھتیس گڑھ سے منظور شدہ ہے۔ پری طب (Pre-Tib) میں جو بھی علماء، طلباء حضرات داخلہ کے لئے خواہشمند ہیں وہ برائے کرم ۱۵/اپریل تک اپنا رجسٹریشن کرالیں۔ جو بھی علماء بارہویں سائنس (ایک مضمون اُردو دسویں یا بارہویں میں یا اسکے مساوی) (فزکس، کمسٹری، بایولاجی میں 50 فیصد لازمی) کے ساتھ کامیاب ہیں وہ بھی بی۔ یو۔ ایم۔ ایس۔ میں رجسٹریشن کرا سکتے ہیں۔ رجسٹرین فارم کالج کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔

سیشن 2017-18 بی۔ یو۔ ایم۔ ایس (B.U.M.S.)

میں رجسٹریشن و مزید معلومات کے لئے رابطہ قائم کریں۔

Mobile : 09644440085, 09977123671

web: www.unaniraipur.org, E:mail: unaniraipur@gmail.com

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim
Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at : M/s Ala Printing Press
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from : H.No. 422, 2nd Floor, Gali Sarotey wali, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006